55

حبش اور اطالیہ

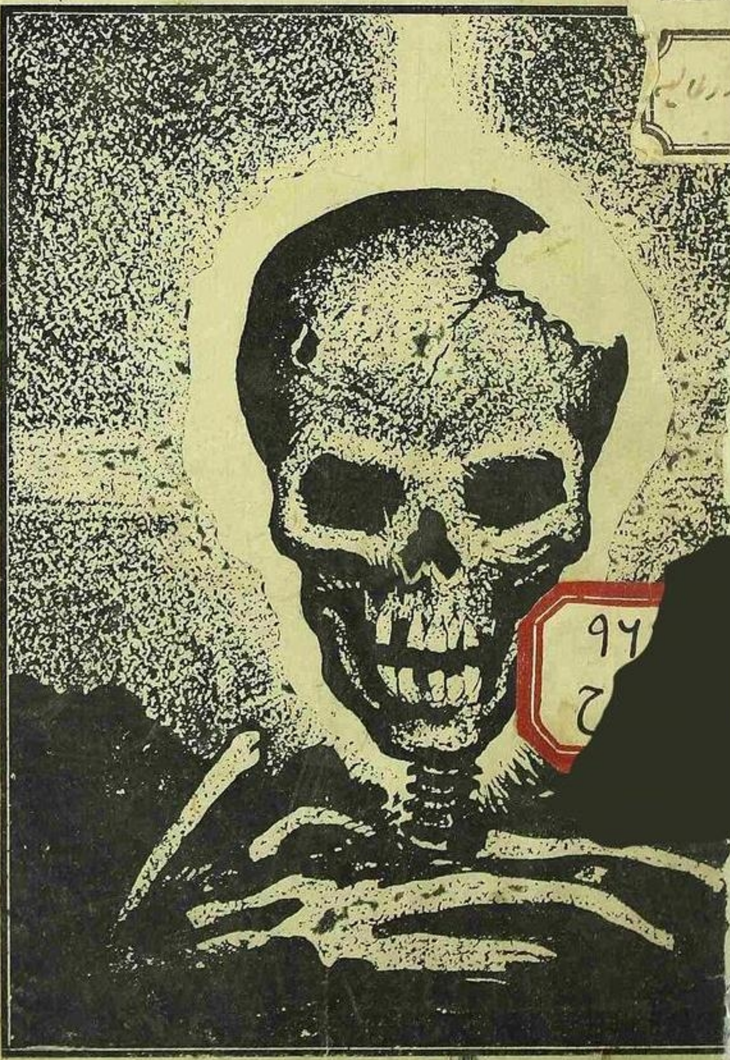

۹۶
ح

سلسلۂ مطبوعات انجمن ترقی اردو نمبر ۸۵

حبش اور اطالیہ

مرتبہ

اختر حسین رائے پوری۔ بی۔ اے

مطبوعہ

انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن

۲۰۰۰ جلد

فی جلد عہ

جنوب سے مغرب کو متوازی سمت میں چلے جاتے ہیں۔ ان دونوں
سلسلوں کے درمیان ۳ درجے شمال تک ایک عریض وادی ہے
جس میں جھیلوں کا ایک سلسلہ ہے۔ سطح مرتفع کا بیرونی
(یعنی مشرقی) سلسلہ چار درجے مشرقی خط کے ساتھ ساتھ چلا
گیا ہے۔ سطح مرتفع کا جنوبی ڈھال بہت ہی غیر مسلسل ہے
لیکن بحیثیت مجموعی اس کا رخ ۶ سے ۳ درجے شمال تک شمال
مغربی اور جنوب مشرقی جانب ہے۔ یہ ڈھال اس نشیب سے
بلند ہے جس میں جھیل روڈولف واقع ہے، اور اس جھیل
کے مشرق میں جو شمالی لینڈ واقع ہے اس سے بھی بلند ہے۔
سطح مرتفع کی مغربی دیوار ۶ سے ۱۱ درجے شمال تک کھڑی ہوئی
اور چٹانی ہے۔ ۱۱ درجے شمال سے پہاڑیاں بیشتر مشرق کی طرف
مڑتی ہیں اور رفتہ رفتہ میدانوں کی سرحدوں سے جا ملتی ہیں۔
سطح مرتفع اپنے مشرقی رخ پر مشرقی سوڈان کی سطح سے مل
جاتی ہے۔ مشرقی ڈھال کی بلندی سات ہزار سے آٹھ ہزار
فٹ تک ہے اور کئی مقامات پر وہ میدان سے عموداً بلند ہو
جاتی ہے۔ سطح مرتفع تک پہنچنے کے دو راستے ہیں۔ ایک تو وہ
دراڑیں ہیں جن میں سے گرما میں خشک ہونے والے پہاڑی
نالے بہتے ہیں اور ساحلی ریت میں جا کر جذب ہو جاتے ہیں۔
دوسرا راستہ دریائے ہواش کی وادی سے مل سکتا ہے۔ یہ آسان
سمجھا جاتا ہے۔ سطح مرتفع پر چڑھنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ اس
کے اطراف کی دیواریں عام سطح سے بلند ہیں۔

رتبہ ہے جو لنگیس یار اُس کا نائب ہوتا ہے۔ فتوراری یعنی ہراول کا سردار ازماش یعنی سالار عقب، کنیازماش یعنی سمینہ کا سردار اور گرازماش یعنی میسرہ کا سردار۔ ان سب کا نمبر بعد میں آتا ہے اور امن کے وقت یہ بڑی بڑی اسامیوں پر مامور ہوتے ہیں۔ یہ امر ملحوظ رہے کہ یہ تمام عہدے بیک وقت فوجی بھی ہیں۔ اور دیوانی بھی۔ ایک ہی آدمی جنگ کے موقعہ پر نبرد آزمائی کرتا اور امن ہوتے ہی انتظامی خدمات انجام دینے لگتا ہے۔ اس حکمران طبقہ کے قبضۂ قدرت میں تمام کسانوں، دستکاروں اور نوکر چاکروں کی قسمت ہے۔ اب انہیں غلام کہیئے یا سرف کا نام دیجئے! فارین ایفیر، ان کے متعلق لکھتا ہے کہ یہ لوگ ویسے بدنصیب نہیں ہیں جیسے اطالوی اخباری یا انسانیت کے نقیب مشتہر کرتے ہیں۔ غلاموں کو بہت کم کام کرنا ہوتا ہے۔ اور فی الجملہ انسے اچھا برتاؤ کیا جاتا ہے۔ جب حالیہ سرمایہ داری مزدوروں کا خون چوسنے لگیگی تو یہ غلام ان دنوں کو یاد کر کے روئینگے۔ غلامی کے انسداد کے لئے اہال سلاسی جس خلوص سے کوشاں ہے اسکا اعتراف ہر اپنے پرائے کو کرنا پڑیگا۔ لیکن ایک ایسا مستحکم ادارہ ایک دن میں نہیں مٹ سکتا۔" ان کلمات کی صداقت کی تصدیق بہت سے انصاف پروروں نے کی ہے۔

ناظرین یہ سمجھ گئے ہوں گے کہ حبش کی فوجی طاقت کا انحصار بڑی حد تک سامنتوں پر ہے۔ پادریوں، تاجروں اور گدڑیوں کے علاوہ ملک کے ہر تندرست فرد سے جنگ کے زمانہ میں قومی حفاظت کا مطالبہ کیا جا سکتا ہے۔

ایسے وقت جب حبش اپنی آزادی کے لئے برسر پیکار ہے۔ اس کی عسکری قوت کے متعلق ہر طرح کی قیاس آرائی ہو سکتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ

فی زمانہ جب جنگ نے ایک علم کی صورت اختیار کر لی ہے۔ سپاہیوں سے زیادہ انکے آلات کی نوعیت اہم ہو گئی ہے۔ ان معنوں میں حبشی فوج بڑی کسمپرسی کی حالت میں ہے۔ اور اگر ملک کے جغرافی حالات اسکی مددگار نہوں تو اسکی حقیقت ٹڈی دل سے زیادہ نہیں ہے۔

حبشی فوج کا وہ دستہ جو شاہی باڈی گارڈ کے نام سے موسوم ہے جدید اصولوں پر منظم کیا گیا ہے اور اسکی کمان بلجیمی اور سویڈی افسروں کے ہاتھ میں ہے۔ اس دستے میں تقریباً ۲۰ یا ۲۵ ہزار آدمی ہونگے۔ یہ نئے ہتھیار کام استعمال کر سکتے ہیں۔ اور انکے پاس نئے قسم کی بندوقیں اور توپیں بھی موجود ہیں جنگ کے زمانہ میں اس دستے سے کمک اور دارالخلافہ کی حفاظت کا کام لیا جا رہا ہے۔ عین تنت کے وقت انہیں دشمن کے مقابلہ میں بھیجا جائے گا۔

اس کے بعد بادشاہ کی شاہی فوج ہے جس کے سپاہی ہال سلاسی سے براہ راست منسوب ہیں اور ہرار، دلو اور شوعا کے صوبوں سے بھرتی کئے جاتے ہیں انکی تعداد ایک آدھ لاکھ ہوگی۔ انہیں ہم حکومت کی باقاعدہ فوج کہہ سکتے ہیں نہ یہ لڑائی کے جدید اسلوب سے واقف ہیں اور نہ نئے الات سے آشنا ہیں

یہی حال سامنتوں کی سپاہ کا ہے۔ جنکی کوئی تعداد معین کرنا ناممکن ہے اگر وہ چاہیں تو میدان میں دس لاکھ سپاہی لا سکتے ہیں۔ کیونکہ ایک تو ایسے قومی حادثہ کے وقت فوجی خدمت جبری ہو جاتی ہے۔ اور دوسرے ملک کا ہر فرد بشر قدیم طریقۂ جنگ سے لازمی طور پر واقف ہوتا ہے۔

اطالیہ نے جس گھڑی حملہ شروع کیا حبش کے پاس جدید آلات جنگ کی بہت کمی تھی اور ہوائی جہاز ایک درجن سے زیادہ نہ تھے۔ اور وہ بھی اسس

قابل نہ تہے کہ فضائی جنگ مین موثر طریقہ سے لڑ سکتے۔ ہر قسم کے رائفلون اور بندوقون کی تعداد پانچ یا چھ لاکھ ہوگی۔ جنکے لئے کافی تعداد مین کارتوس مہیا کرنا دشوار تہا۔ مشن گن چند سو ہونگی اور توپون کا شمار انگلیون پر کیا جا سکتا تہا۔ طیارہ شکن توپون یا ٹینکون کا پتہ بہی نہ تہا۔ اس بے سروسامانی کے ساتھ حبش اپنی زندگی کی حفاظت کے لئے نکلا تہا۔ اس پر غضب یہہ کہ جب اطالیہ کہلے بندون سامان جنگ خرید خرید کر حبش کی سرحد پر جمع کر رہا تہا۔ اسوقت ہر ملک نے حبش کے ہاتھون سامان جنگ بیچنے سے انکار کر دیا۔ اس رویہ کے متعلق رنالڈس ویکلی لکہتا ہے کہ " بالڈون کی حکومت کا سب سے ذلیل اور احمقانہ کارنامہ یہہ تہا کہ اس نے حبش کو اسلحہ جات فراہم کرنیکی ممانعت کر دی۔ جب وہان آسانی سے بلا خطر سامان جنگ بہیجا جا سکتا تہا' وزارت خارجہ نے اسکی اجازت نہ دی اور اب جبکہ اسمین دشواریان اور خطرے پیدا ہو چکے ہین۔ تو اسکی اجازت دیجا رہی ہے۔" صلحنامون کی رو سے اور لیگ کے اقرارنامہ کے مطابق کسی حکومت کو حق نہ تہا کہ حبش کو اسلحہ جات بہیجنے سے انکار کرے۔ اور لطف یہہ کہ ایسے وقت یہی مہذب ممالک اطالیہ کو بے دہڑک تیر و تفنگ سے مسلح کر رہے تہے۔

اب دیکہنا یہہ ہے کہ کسی لڑائی کے موقع پر حبش کے موافق اور مخالف کون کون سے اسباب ہو سکتے ہیں۔

حبش کی افواج کی بے سروسامانی اور بدنظمی کا ذکر آچکا ہے۔ علاوہ برین ہر قبیلہ اور سامنت کے اغراض جدا جدا تہے۔ امہاری اور غیر امہاری قبائل مین لاگ ڈانٹ تہی اور عیسائیون و مسلمانون کے تعلقات زیادہ

خوشگوار نہ تھے۔ ابھی یہہ دیکھنا باقی ہے کہ ایک مشترک جمعیت کا تصور کس حد تک ان مین شیرازہ بندی کر سکتا ہے۔ اسکا یہہ مطلب نہین کہ حالات یکسر حبش کے مخالف ہین۔ ملک کی جغرافی حالت کسی حملہ آور کے لئے کن مصائب کے امکانات رکھتی ہے اسکا تذکرہ آئے دن اخبارون مین ہوا کرتا ہے۔ دوسرے یہہ کہ حبشی اپنی زمین پر لڑ رہے ہیں جس کے سرد و گرم سے وہ باخبر ہین۔ اس کے برعکس دشمن کے لئے یہہ نامعلوم زمین ایک اندھی گلی ہے۔ باربرداری کی آلائشون سے آزاد ہونے کی وجہہ سے حبشی افواج مقابلتہً زیادہ سبک رفتار ہین اور یہہ اونکے حق مین بہت مفید ہے کیونکہ بڑی لڑائی کی کامیابی کے لئے ضروری ہے کہ وہ ازحد حرکت پذیر ہون۔ یہان حبشیون کی جانبازی اور شجاعت کا ذکر کرنے کی ضرورت نہین کیونکہ ساری دنیا کو اسکا علم ہے۔ موجودہ جنگ میں اُنھوں نے جو داد شجاعت دی ہے وہ اس بیان کی تصدیق کرتی ہے۔

یہہ سب کچھہ جان لینے کے بعد قدرتی طور پر یہہ معلوم کرنے کا اشتیاق ہوتا ہے کہ وہ کون لوگ ہیں جو یک جنبش دو ہزار سال پرانی فضا کو بدلنے کی سعی کر رہے ہین۔ جو آدم خور قبیلون سے سائنس کی برکتون کا اعتراف کرانا چاہتے ہین۔ تیرون کو مشین گنون سے اور بیل گاڑیون کو ہوائی جہاز سے بدل دینا چاہتے ہین۔

ان مین سب سے پہلے شہنشاہ ہال سلاسی کا نام آتا ہے جس نے صرف گیارہ سال کے قلیل عرصے مین ایک دنیا کو اپنی اولوالعزمی اور حوصلہ مندی کا مداح بنالیا۔ انکی عمر ابھی صرف ۴۴ سال کی ہے اور وہ ابھی ۱۹۳۰ء میں سریر آرائے سلطنت ہوا۔ اس سے پہلے کے دور حکومت میں اسے

حبشی افواج کے غیر ملکی سردار -

وھیب پاشا

ریجنٹ کی حیثیت سے چھ سال تک اپنے ارادونکی تکمیل کا موقعہ ملا۔ اس اثناء مین اس نے اپنے ملک کو لیگ آف نیشن کا رکن بنا دیا۔ اور سامراجیون کے دست برد سے اپنی حفاظت کرتا ہوا ہر ممکن طریقہ سے ملک کی ترقی کے لئے کوشان رہا۔ اس کے علمی وادبی ذوق اور اخلاق و امن پسندی کی تعریف دوست دشمن سبنے کی ہے۔

اسکا دست بازو وزیر خارجہ ببیرن گیتی ہروائی ہے جسے عام طور پر لوگ افریقہ کے رابسوٹن کے نام سے یاد کرتے ہین۔ ہروائی شہنشاہ کا سب سے عزیز معتمد ہے اور رجعت پرورونکی تعذیر مین ہمیشہ اسکی تائید کرتاہے۔ غیر ممالک سے حبش کے تجارتی اور سیاسی تعلقات قایم کرنے مین اسکا بڑا ہاتھ رہاہے۔ اور اس غرض سے وہ ساری دنیا کی سیر کرچکاہے۔ بادشاہ کی طرح وہ بھی اہل قلم ہے اور شعبۂ تعلیمات کے نظم ونسق مین اس نے بڑا کام کیاہے۔

لیگ آف نیشن کا حبشی نمایندہ ہروایت ملک کا سب سے ہوشیار اور تجربہ کار جنرل ہے یہ ساتھہ ہی ساتھہ وہ بڑا جہاندیدہ سیاست دان ہے اور لیگ مین اپنے ملک کی نمایندگی اس نے جس حسن وخوبی سے کی ہے وہ یقیناً داد طلب ہے۔ یہان لندن کے سفیر ڈاکٹر مارٹن کو فراموش نہین کیا جاسکتا اس نے اپنے ملک مین تجارت وحرفت کو فروغ دینے کے لئے بڑا کام کیاہے اور جو دس بیس ٹھیکہ دار اور سرمایہ دار حبش کی طرف رجوع ہوئے ہین اور برطانیہ کی رائے عامہ مین اس مظلوم ملک سے جو ہمدردی پیدا ہوئی ہے اسمین ڈاکٹر موصوف کا بڑا ہاتھہ ہے۔ حبش کے دور جدید کا ذکر تشنہ رہ جائیگا اگر ان دوآدمیون کا حال نہ لکھا جائے جو اسکی فوجی تنظیم کے لئے تن من سے کام کر رہے ہین۔

حبش افواج کا سپہ سالار دراصل ایک سویڈش جنرل ورجن ہے۔ ایک زمانہ میں وہ سویڈن کی ہوائی فوج کا سالار اول تہا۔ ابھی اسے اس ملک مین آئے دو سال بھی نہین گذرے ہین لیکن اسی مختصر سے زمانہ مین ملکی افواج کی کایا پلٹ ہو گئی ہے۔ اس کے اثر و رسوخ سے یورپین افسرون کی کثیر تعداد آج حبشی افواج کی رہنمائی کر رہی ہے۔ ہوابازی کی تعلیم کے لئے ایک اسکول قائم کر دیا گیا ہے۔ اور شاہی باڈی گارڈ کی قواعد اور تنظیم جدید طریقون سے ہو رہی ہے۔ اس نے انجمن صلیب احمر اور فوجی اسپتالون کا سلسلہ بھی شروع کر دیا ہے۔ جنگ کے آغاز کے بعد یہ عام طور پر کہا جا رہا تہا کہ شہنشاہ تمام فوجی و ملکی امور مین اس سے مشورہ لے رہا ہے۔ اور وہ نہ صرف شاہ حبش کا سب سے بااثر مشیر ہے بلکہ اطالیہ اسے اپنا سب سے خطرناک دشمن سمجہتا ہے۔ مسولینی نے ایک تقریر کے دوران مین اسے اسی خطاب سے سرفراز کیا تہا۔

حبش کے لئے یہ شگون مبارک ہے کہ اسے وہیب پاشاہ جیسے جنرل کی خدمات حاصل ہین۔ وہیب پاشاہ نے جنگ عظیم کے دوران مین بڑا نام پیدا کیا۔ اور مصطفے کمال اس کے ماتحت تھے۔ یونانیون کو انہی کی سرکردگی مین شکست دی گئی تہی۔ وہیب پاشا حبش کے دکنی یعنی اسلامی صوبون کے جنرل ہین۔ اور اوجدین مین انہون نے اطالوی سپاہ کو جس طرح روک رکہا ہے باوجودیکہ وہ بالکل بے سر و سامان ہین۔ یہ انکی سپاہ گری کا کمال ہے وہیب پاشاہ سومالی مسلمانون کو اطالیہ کے خلاف ابہارنے کی پیہم کوشش کر رہے ہین۔ دیکہنا یہ ہے کہ وہ کس حد تک اپنے عزم مین کامیاب ہوتے ہین۔

یہ مختصر سی روئداد ہے۔ زمانہ حال کے حبش کی اور ان لوگوں کی جو گوناگوں دشواریوں اور مجبوریوں کا سامنا کر کے اُسے دورِ وحشت سے نکالنے کی جد وجہد کر رہے ہیں۔ اور اطالیہ کے برباد کن شکنجوں سے اسے آزاد رکھنے کے لئے جان و مال قربان کر رہے ہیں۔

باب پنجم

حبشہ اور عرب

قدیم زمانے میں حبش نامی ایک قبیلہ ہمیں یمن میں ملتا ہے۔ اسی بنا پہ تیز علم کا سہ سر کے تحقیقاتی نتائج کے طور پہ اب یہ خیال روز افزوں مقبولیت حاصل کرتا جا رہا ہے کہ حبشی اصل میں یمن سے آئے ہوئے نوآباد کار ہیں۔ حبشہ (یا ابی سینیا) میں ایک صوبہ "اُمُہرہ" بھی ہے۔ اس کا اب "مُہرہ" سے تعلق قائم کیا جا رہا ہے جو جنوبی عرب میں حضر موت کے مشرق میں ایک بڑا علاقہ ہے۔ لسانیاتی تحقیقات نے بھی مہرہ اور امہرہ کی بولیوں میں بڑی قربت ثابت کر دی ہے۔ اور آج کل جامعہ پیرس کے مدرسۃ الالسنۃ مشرقیہ میں اس مسئلے پہ خاص طور سے توجہ کی جا رہی ہے۔

بانیٔ اسلام صلعم کی ولادت سے تقریباً ایک سو سال پہلے یمن میں ذو نواس نامی ایک یہودی بادشاہ گذرا ہے۔ اس کے زمانے میں صوبہ نجران میں عیسائیت بہت عام ہو گئی تھی۔ طبری نے دو روائتیں بیان کی ہیں کہ ذو نواس نے یہودیت اپنی غلو کے باعث نجرانیوں کو عیسائیت چھوڑنے اور یہودیت قبول کرنے کا حکم دیا ــــــ یا یہ کہ ایک یہودی کے دو بچے نجران میں

مارے گئے تھے اور ان کے باپ کی شکایت پر اس نے نجرانیوں کو نہائیبہ والٹی میٹم بھیجا ـــــ اور جب نجرانیوں نے عیسائیت کو چھوڑنے سے انکار کیا تو بڑی فوج لے کر ان کے صوبے میں پہنچا اور عیسائیوں کا بڑی بیرحمی سے قتل عام کیا چنانچہ بڑے بڑے کھڈے یا گڑھے کھدائے، ان میں آگ جلادی اور عیسائیت سے انکار نہ کرنے والوں کو ان میں زندہ جھونک دیا مفسرین کا خیال ہے کہ قرآن مجید (۸۵: ۴ تا ۷) میں آیت (قُتِلَ أَصْحَابُ الْأُخْدُودِ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُودِ) میں اسی واقعہ کی جانب اشارہ ہے۔

بچے کھچے آدمیوں میں سے ایک حبشہ پہنچنے میں کسی نہ کسی طرح کامیاب ہو گیا۔ اُس نے جلی ہوئی انجیل نجاشی[له] کو دکھائی اور فریاد وزاری کر کے انتقام پر توجہ دلائی۔ نجاشی نے جلی ہوئی انجیل بزنطینی شہنشاہ کے پاس قسطنطنیہ بھیج دی اور کشتیاں مہیا کرنے کی استدعا کی ـــــ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ نجران کا فریادی براہ راست قیصر ہی کے پاس پہنچا تھا۔ اس نے کہا کہ "میرا ملک بہت دور ہے۔ میں خود کچھ نہیں کر سکتا۔ البتہ نجاشی کو میں خط لکھتا ہوں۔ وہ بھی عیسائی ہے اور اس کا ملک تمہارے ملک کے قریب ہے۔ وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارا انتقام لے گا۔" ـــــ قیصر کی مہیا کردہ کشتیاں

له ۔ یہ لفظ عربی میں غیر مشدد جیم کے ساتھ مستعمل ہے۔ اس معرب لفظ کا حبشی اصل نگوس (ℎ𝒐𝒔) جس کے لغوی معنے بادشاہ کے ہیں۔ اس سے مراد کوئی نام نہیں بلکہ حبشہ کا بادشاہ ہوتا ہے۔

آب و ہوا

خاص حبش اور اس کے دوسرے حصوں کی آب و ہوا میں بڑا اختلاف ہے۔ شمالی لینڈ اور ڈینکل کے نشیبستان کی آب و ہوا گرم اور خشک ہے جس سے نیم ریگستانی کیفیات پیدا ہو جاتی ہیں۔ دریائے سوبت کے نشیبی وادی کے علاقے کی آب و ہوا گرم اور ملیریائی ہے، لیکن حبش کے بہت بڑے حصے اور گلا کے بلند علاقے کی آب و ہوا صحت بخش اور معتدل ہے۔ حبش حالانکہ خط استوا کے قریب ہے لیکن چونکہ اس کی سطح بلند ہے اس لیے آب و ہوا میں اعتدال ہے۔ ٹکازی اور اباے کی گہری وادیوں میں جو مقامات آباد ہیں اور جو ۴۰۰۰ فٹ نشیب میں ہیں وہاں کی آب و ہوا گرم ہے اور وہاں بخارات پھیلے رہتے ہیں۔ بلند حصوں کی ہوا گرما میں کسی قدر سرد اور خوشگوار ہوتی ہے اور سرما میں انتہائی بارد۔ نقطۂ حرارت زیادہ سے زیادہ ۶۰ اور ۸۰ کے درمیان ہوتا ہے۔

سطوح مرتفعہ پر مطلع نہایت صاف ہوتا ہے اور چیزیں دور سے بھی بآسانی نظر آتی ہیں۔

سال کو تین موسموں پر تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ سرما جو اکتوبر سے فروری تک رہتا ہے۔ اس کے بعد مارچ سے وسطِ جون تک دوسرا موسم رہتا ہے جو گرم اور خشک ہوتا ہے۔ وسط جون سے برسات کا موسم شروع ہوتا ہے۔

جولائی اور اگست میں ٹکازی کی وادی میں بڑے زور کی بارش

حبشی بندرگاہوں میں پہنچ گئیں اور خود نجاشی نے سات سو کشتیاں تیار کرائیں اور مقامی بندرگاہوں میں تجارت کی غرض سے آئی ہوئی ایرانی اور دیگر تاجروں کی بھی بہت سی کشتیاں بیگاری کے لئے روک لی گئیں۔ ان سب پر عرب کی مقامی روایتوں کے مطابق ستّر ہزار اور یونانی مورخوں کے مطابق ایک لاکھ بیس ہزار سپاہی سوار کئے گئے اور آبنائے باب المندب کو عبور کر کے جس اثنا میں بہت سی کشتیاں طوفان میں ڈوب گئیں، یمن کے ساحل پر جا اترے۔ ابن الکلبی کا بیان ہے کہ پہلے کچھ فوج بھیجی گئی جو بذاتِ خود اتنی کافی تھی کہ ذونواس کو مقابلے کی تاب نہ رہی۔ اس لئے اس نے بہت بڑی رقم پیش کرنے کے وعدے پر امان چاہی اور جب حبشی افسر رقم وصول کرنے آئے تو دھوکہ سے انہیں قتل کرا دیا پھر بے سری فوج کا صفایا آسان کام تھا۔ اس شکست کا انتقام لینے کے لئے نجاشی نے ستّر ہزار حبشی فوج بھیجی۔ لاطینی مورخوں کے مطابق پندرہ ہزار کا مقدمۃ الجیش پیاس اور تھکن کے باعث تباہ ہو گیا۔

لڑائی کا انجام یہ ہوا کہ ذونواس کو شکست ہوئی اور اس نے خودکشی کر لی۔ اس کے بعد یمن پر حبشی قبضہ ہو گیا اور یہ علاقہ نجاشی کے قبضے میں آ گیا۔

ابرہہ کی گورنری

کچھ دن بعد دو بڑے حبشی افسروں اریاط اور ابرہہ میں ان بن ہو گئی۔ اور اریاط کو قتل کر کے ابرہہ یمن کا گورنر بن گیا۔ نجاشی کو بھی امر واقعہ کو گوارا کرنا اور ابرہہ کی گورنری کو تسلیم کرنا ہی بہتر معلوم ہوا تاکہ ملک میں مزید خون ریزی نہ ہو۔ ابرہہ دیندار عیسائی تھا۔ اس نے ملک میں عیسائیت کے پھیلانے کی بڑی سرگرم کوشش کی اور یمن کے پایۂ تخت صنعا میں ایک بہت

بڑا کلیسا تعمیر کرایا جس کا نام قلیس (یعنی کلیسا) رکھا۔ اس کی تعمیر میں بیزنطینی قیصر نے قسطنطنیہ سے بہت سے کاریگر، سنگ رخام اور چینی کی منقش اینٹیں بھیجیں۔ جب کلیسا تعمیر ہو گیا تو اسکندریہ کے بطریق نے ایک اطالوی پادری گرے جن تیوس (Gregentius) کو وہاں روانہ کیا۔ نجران میں بھی ایک گرجا اور "شہدا" کا قبرستان تعمیر کیا گیا۔

ابرہہ، معلوم ہوتا ہے کہ ایک اچھا حکمران ثابت ہوا۔ اس نے مقامی نالابوں وغیرہ پہ توجہ کی۔ اس کے کتبے اب بھی یمن میں دستیاب ہوتے ہیں اور ان سے بہت سی تاریخی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ مارب کے تالاب کا کتبہ دلچسپی کی خاطر نقل کیا جاتا ہے:-

"مہربان رحم والے (رحمان و رحیم) اس کے مسیح اور روح القدس کی مہربانی سے ابرہہ الکسومی، حبشیوں کا رئیس، الرامیس ذیمیان شاہ حبش کا محکوم، سبا، ذوریدان، حضرموت، یمنات، تہامہ اور نجد کا بادشاہ، یہ یادگار قائم کرتا ہے کہ اس نے اپنے عامل یزید بن کبشہ پہ فتح پائی جس کو اس نے کندہ اور دئی پہ حاکم بنایا تھا اور سپہ سالار مقرر کیا تھا اور رؤسائے سبا میں سے مرہ، ثمامہ، حنش، مرثد اور ضنف ذو (قلعہ دار) خلیل، اور آل یزن، رؤسائے معدی کرب بن سمیفع اور ہفان اور اس کے شکستہ دل فرزندان اسلم اس کے ساتھ تھے۔

بادشاہ نے اس کے مقابلے میں جبراح قلعہ دار زرینور کو بھیجا۔ یزید نے اس کو مار ڈالا اور قصر کدار کو ڈھا دیا۔ اور کندہ، حمیب، اور حضرموت کے قبائل سے اس نے جمیعت اکٹھا کی ......

بادشاہ کو خبر ملی تو اپنی حمیری اور حبشی فوج ہزاروں کی تعداد میں ماہِ ذوالقباط ۶۵۷ھ (یمنی مطابق ۵۴۲ء) میں لے کر چلا جب مارب کی وادیوں میں پہنچا تو یزید خود آیا اور تمام سرداروں کے سامنے اس کی اطاعت قبول کر لی ....

اسی اثنا میں مارب کے تالاب کی دیوار، حوض اور دروازہ کے ٹوٹنے کی خبر ماہِ ذوالمدرح ۶۵۷ھ (یمنی مطابق ۵۴۲ء) میں آئی۔ قبائل کو فرمان بھیجا کہ پتھر، لکڑی اور سیسہ بند کے درست کرنے کے لئے مہیا کریں۔ بادشاہ پہلے مارب گیا اور وہاں کے کنیسے میں نماز ادا کی۔ پھر موقع پر گیا، نیو کھودی اور تعمیر شروع ہوئی ....

بادشاہ ان رئیسوں سے معاہدہ کر کے واپس آیا۔ شہزادہ اکسوم قلعہ دار معاہر یعنی فرزند بادشاہ مرجوف قلعہ دار ذرناج، عادل قلعہ دار خانش اور قلعہ داران شوحان شعبان، ریمن، ہمدان وغیرہ ....

مہربان (رحمان) کی عنایت سے نجاشی، قیصر روم، منذر (یعنی حیرہ بادشاہ)، اور حارث بن جبلہ (غسان کے بادشاہ) اور دوسرے بادشاہوں کی طرف دوستی اور محبت کے اظہار کے لئے ماہِ ذوان ۶۶۷ھ (یعنی مطابق ۵۴۲ء) میں سفیر آئے ......"

اصحاب الفیل

مارب ساگر کی اس مرمت کے ستائیس سال بعد ۵۷۰ء میں اسی ابرہہ نے مکہ معظمہ پر حملہ کیا۔ عرب مورخ اسے اصحاب الفیل کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ جدید یورپی مولفوں کا خیال ہے کہ ابرہہ حقیقت میں خشکی کی راہ سفر کر کے شام جانا اور بیزنطینی شہنشاہ کو ایران کے خلاف مدد دینا چاہتا تھا۔ مگر عرب مورخ اس کا باعث اپنے بعض ہم وطنوں کی

شرارت بتاتے ہیں۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ قلیس (کلیسائے صنعا) کی تعمیر سے
بُت پرست عربوں کو سخت غصہ آیا اور ان میں سے ایک مَن چلے کو جو سوجھی
تو وہاں پہنچ کر چپکے سے ایک رات وہاں غلاظت کی اور بھاگ آیا۔ دریافت
اور تحقیقات پر یہ قیاس کیا گیا کہ کسی مکّے والے کی شرارت ہے اور کعبے کی خاطر
قلیس کی تذلیل کی گئی ہے۔ غرض ابرہہ بہت سی فوج اور ایک ہاتھی[1] لے کر روانہ
ہوا۔ جب مکّے کے قریب پہنچا تو قرآن مجید کے مطابق پرندوں کے جھنڈ
(طَیراً اَبابِیل) آئے اور پتھراؤ پر کنکریاں گرائیں۔ نہ معلوم یہ کنکریاں کن جراثیم
سے متاثر تھیں کہ فوج میں وبا پھیل گئی[2]۔ بہت سے لوگ مر گئے۔ کچھ ابرہہ کے
ساتھ یمن واپس ہو گئے اور کچھ جو بیمار ہو گئے، وہیں مر گئے، یہ لوگ سپاہی تھے
اس لئے یہ امر قرین قیاس ہے کہ بعد میں یہ مکّے والوں کے ان محافظ دستوں میں
کام کرنے لگے ہوں جو کاروانوں کی حفاظت کے لئے قافلے کے ساتھ آیا جایا
کرتے تھے۔

۱ے۔ اکثر مورخ یہی کہتے ہیں اور قرآن مجید میں "اصحاب الفیل" میں فیل کا لفظ واحد ہی آیا ہے گو
بعض مورخ کہتے ہیں کہ متعدد ہاتھی تھے۔ ابن ہشام نے ہاتھی کا نام "محمود" لکھا ہے۔ ایک
حبشی ہاتھی کا نام خالص عربی ہونا قرین قیاس نہیں۔ ممکن ہے یہ لفظ Mammoth
کا معرّب ہو اور یہ ہاتھی ممّوت نسل کا ہو۔ طبری کے مطابق یہ ہاتھی جو غیر معمولی قد وقامت کا تھا، ابرہہ
کی درخواست پر نجاشی نے حبش سے یمن بھیجا تھا۔

۲ے۔ عرب مورخ بیان کرتے ہیں کہ حجاز میں چیچک وغیرہ وبائیں پہلی مرتبہ اسی وقت آئیں
اس سے پہلے لوگ ان سے واقف نہ تھے۔

اسی ہاتھی کے واقعے کے سال آں حضرت صلعم پیدا ہوئے۔

یورپی مورخوں کا بیان ہے کہ چونکہ حبشہ بیزنطینی حکومت کے ماتحت نہیں تو زیر اثر ضرور تھا اسی لئے بیزنطینی حکومت کو توقع تھی کہ یمن پر حبشی قبضے سے اسے معاشی مدد ملے گی۔ اور ہندوستان سے ریشم کی خریداری یمن کے ذریعے سے آسان ہو جائے گی۔ اس سلسلے میں کئی بیزنطینی سفارتیں بھی یمن آئیں لیکن ایرانی تاجر اپنے وسیع کاروبار کے باعث منڈیوں پر چھائے رہے بلکہ خود عدن اور دیگر یمنی منڈیوں میں ایرانی اثر روز افزوں ہی ہوتا گیا۔ چنانچہ مرزوقی نے بیان کیا ہے کہ عدن میں عطر بیچتا تھا جو اپنی لاجواب خوبیوں کے باعث "ہندوسندھ اور فارس و روم" تک درساور ہوتا تھا۔ ابھی ابرہہ کے انتقال کو زیادہ دن نہیں گزرے تھے کہ ایرانیوں نے یمن پر حملہ کیا اور حبشیوں کو شکست دے کر اس پر قبضہ کر لیا۔

حجازی عربوں کے تعلقات حبشہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت قدیم رہے ہیں۔ قرآن مجید میں متعدد حبشی الفاظ کا پایا جانا اس سلسلے میں کسی طرح نظرانداز نہیں کیا جا سکتا ہے۔ قدیم زمانے میں چین اور ہندوستان کا تجارتی مال یمن آتا اور خشکی کے راستے حجاز اور شام سے گزر کر یورپ جاتا تھا۔۔ جب رومیوں اور بیزنطینیوں نے بحر احمر میں بحری حمل و نقل شروع کر دی تو حجازیوں کے روزگار پر خاص کر بہت اثر پڑا تھا۔ غالباً یہی وجہ تھی کہ آں حضرت صلعم کے پر دادا ہاشم نے سخت جدوجہد کی اور ہمسایہ ممالک سے تجارتی کاروانوں کے لانے کی اجازت حاصل کر لی۔ ابن سعد اور امام ابن حنبل کا بیان ہے کہ قیصر روم نے ہاشم کو شاہی آٹے کا پروانہ عطا کیا اور

اپنے زیر اثر فرمانروائے حبش کے نام بھی ایک سفارشی خط لکھ دیا۔ ہاشم نے اپنے بھائی کو حبشہ بھیجا اور ان کو نجاشی نے قیصر کی سفارش کی بنا پر اس بات کا منشور عطا کیا کہ ان کا تجارتی کارواں حبشہ آیا کرے"۔ وادی غیر ذی زرع "مکہ کے تجارت پیشہ اپنے اور آس پاس کے علاقے سے عموماً چمڑے، گوند، لوبان وغیرہ بیچنے کے لئے لے جاتے تھے۔ قریبی میلوں میں گھی وغیرہ بھی بھیجتے تھے۔ اونی کپڑے اور دریاں بھی عرب کی مقامی پیداوار میں شامل تھیں۔ ان چیزوں کے بدلے میں وہ زیادہ تر غلہ حاصل کیا کرتے تھے حکومت شام نے ہتھیار کی برآمد بند کر دی تھی۔ موقع ملتا تو یہ لوگ اس کی بھی چوری چھپے درآمد کر لیا کرتے تھے۔

حبشہ جانے کے دو راستے تھے۔ حجاز سے خشکی کی راہ فلسطین اور مصر ہوتے ہوئے جائیں یا بندرگاہ جدہ سے کشتیوں پر سوار ہو کر باب المندب سے ہوتے ہوئے کسی حبشی بندرگاہ میں جا اتریں۔

قرآن مجید میں سمندر کا نہایت مدققانہ تذکرہ اور کشتیوں کے چلنے طوفان اور خراب موسم سے دو چار ہونے اور سمندری مسافروں کے پریشان ہونے کا نفسیاتی منظر اور سب سے بڑھ کر بحری اصطلاحات وغیرہ کے طور پر بعض حبشی الفاظ کا استعمال ــــــ یہ تمام امور بتاتے ہیں کہ آں حضرت صلعم کے اولین مکی و حجازی مخاطب بحری سفر اور حبشی سمندر سے کتنی گہری واقفیت رکھتے تھے۔ اگر عربی مورخوں پر اعتماد کیا جائے تو مکی تاجر خود نجاشی سے شخصی تعارف رکھتے تھے اور اس کے دربار میں باریاب ہوا کرتے تھے۔ شاید نبی کریم کو بھی کبھی نبوت سے پہلے اس کا موقع پیش آیا ہو۔ اگرچہ سیرت نگار اور سوانح نویس اس بارے میں خاموش ہیں لیکن جو شخصیت زیادہ تر اپنے تجارتی

معاملات میں راست بازی کے باعث الامین کے قومی خطاب سے مخاطب ہوئی ہو جس نے نہ صرف یمن اور شام کا بلکہ بروایت امام ابن حنبلؒ بحرین و عمان جیسے دُور دراز ممالک کا خاصا تفصیلی سفر کیا ہو، اس سے یہ بات اُس زمانے میں عقلاً بعید نہیں معلوم ہوتی کہ کبھی حبشہ بھی گئی ہو جہاں اس کے ہم وطن ہر سال نہیں تو اکثر آیا جایا کرتے تھے۔ آپ نے اپنے چچازاد بھائی کو حبشہ ہجرت کر جانے وقت جو تعارفی خط عطا فرمایا تھا اور جس میں نجاشی کو واقفانہ انداز میں لکھا تھا کہ ان نو آمدوں کا مہمان نوازانہ استقبال کرے، وہ بھی اس گمان کو مزید تقویت پہنچاتا ہے۔

سنہ ۶۱۱ء میں حضرت محمد صلعم نے مکّہ معظمہ میں اس بات کا اعلان فرمایا کہ آپکو خُدا نے اپنا پیغام رساں بنا کر بغرض ہدایت بھیجا ہے۔ بُت پرست یا بے مذہب ہم شہریوں کو غیب خُدائے واحد پر ایمان لانے کے لئے کہا گیا اور رئیسوں کی بے سودی کا بڑی شدومد سے ذکر ہوا تو نامعقول جوش وخروش سے اس کی مخالفت ہوئی اور اکّادکّا جو بھی اس تحریک سے متاثر ہوا، اس کی جان کے لالے پڑ گئے۔

چار پانچ سال کی ان تھک اور بے لوث تبلیغ کا نتیجہ یہ نکلا کہ چند درجن نئے مسلمان ہو گئے۔ شہر میں ہم وطنوں کے ہاتھوں جس فتنہ و فساد سے سابقہ تھا، اس کے باعث آں حضرت صلعم نے ان لوگوں کو مشورہ دیا کہ ترکِ وطن کر کے حبش چلے جائیں جہاں ایک منصف مزاج بادشاہ حکمران

سلسلہ - جیسا کہ آئندہ مفصل بیان ہوگا ❖

ہے اور حبش کے ملک میں کسی پر ظلم نہیں ہوتا۔ ان مہاجرین میں، ——— ——— آں حضرتؐ کے چچازاد بھائی حضرت جعفر طیارؓ بھی شامل تھے۔

تاریخ نے ایسے کوئی دو ڈھائی سو خط محفوظ کئے ہیں جو آں حضرتؐ نے مختلف قبائلی شیوخ، صوبجاتی افسر اور ہمسایہ حکمرانوں کے نام تحریر فرمائے تھے ——— جو شخص پورے جزیرہ نمائے عرب کا حکمران بن چکا ہو۔ اس کے لئے یہ تعداد کچھ بڑی نہیں ——— اور انہیں خطوں میں سے ایک جسے طبری، ابن القیم، قسطلانی، اور قلقشندی نے اپنی کتابوں میں محفوظ کیا ہے، یہ ہے :-

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

من محمد رسول اللہ الی

النجاشی الاصحم ملک الحبشہ

انی احمد الیک اللہ الذی

لا الہ الا ہو الملک القدوس

السلام المومن المھیمن

واشھد ان عیسیٰ بن مریم

روح اللہ وکلمتہ القاھا الی

مریم البتول الطیبۃ الحصینۃ

حملتہ من روحہ ونفخہ کما

خلق آدم بیدہ۔

وانی ادعوک الی اللہ وحدہ

المشریک له وان تتبعنی وتؤمن بالذی جاءنی فانی رسول
وانی ادعوک وجنودک
الی اللہ عزوجل وقد بلغت
ونصحت فاقبلوا نصحی ۔
وقد بعثت الیکم ابن عمی
جعفراً ومعه نفر من المسلمین
فاذا جاءک فاقرهم ودع التجبر
والسلام علی من اتبع الهدیٰ"۔

عام طور سے اسلامی مورخ اس خط کو ۶ھ کے اواخر کے واقعات میں بیان کرتے ہیں جب کہتے ہیں کہ آں حضرت صلعم نے متعدد ہمسایہ ممالک کے فرمانرواؤں کو دعوتِ اسلام کی تبلیغ کی۔ بگماوپر نقل کیے ہوئے خط کا آخری فقرہ غور طلب ہے "میں نے اپنے چچازاد بھائی جعفرؓ کو تمہارے پاس بھیجا ہے اور اس کے ساتھ کچھ مسلمان ہیں۔ جب وہ تیرے پاس آئے تو ان کی مہمان داری کر ......" کیا یہ عبارت ۶ھ میں لکھی جا سکتی ہے جب کہ ان مہاجرین کو حبشہ پہنچے ہوئے پندرہ سال ہونے کو آئے تھے؟ بہ ظاہر یہ خط تعارف کی غرض سے حضرت جعفرؓ طیار کو دیا گیا تھا جب وہ حبشہ جا رہے تھے۔

اگر سیرت نگاروں کی خاموشی کو کوئی مانع نہ قرار دیا جائے تو خط کے وافکار انداز سے یہ گمان ہوتا ہے کہ نبوت سے پہلے آں حضرتؐ خود حبشہ تشریف لے گئے اور مثل بعض دیگر مکی تاجروں کے نجاشی سے شخصی تعارف حاصل کیا تھا

آپ کا مہاجرین سے چلتے وقت فرمانا کہ حبش میں ایک ایسے بادشاہ کی حکمرانی ہے جس میں کسی پر ظلم نہیں ہوتا، اس کی مزید تائید کر سکتا ہے۔ احادیث میں بعض مت آں حضرتؐ کی زبان سے چند حبشی الفاظ بھی مروی ہیں۔

بہر حال جب متعدد جماعتیں مہاجرین کی حبشہ پہنچیں تو مکے والے اس کی روک تھام کے لئے تدبیریں سوچنے لگے۔ آخر انہوں نے ایک وفد بھیجا جو نجاشی سے ان "ملزمین کی حوالگی" کا مطالبہ کرے۔ نجاشی نے مسلمانوں کو جوابدہی کا موقع دیا۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے مکے میں کوئی جرم یا فعل ناجائز نہیں کیا ہے۔ ہم پہلے گمراہ تھے۔ اب خدا نے ہمارے پاس ایک نبی بھیج کر ہماری ہدایت کا سامان کیا ہے۔ اور ہم ہموطنوں کے ظلم اور بے دردی سے مجبور ہو کر یہاں پناہ لینے آئے ہیں۔ قریشی وفد کا سردار عمرو بن العاص جیسا زبردست موقع شناس سیاست داں تھا۔ چنانچہ فوراً پہلو بدل کر نجاشی کے نازک اور حساس ترین جذبات پر وار کیا اور پوچھا۔ مگر مسلمان یہ تو بتائیں کہ وہ حضرت عیسیٰؑ کے متعلق کیا عقاید رکھتے ہیں؟ مسلمانوں کے نمایندے حضرت جعفر طیارؓ نے قرآن مجید کی وہ آیتیں پڑھیں جن میں حضرت عیسیٰؑ کو روح اللہ، کلمۃ اللہ، ابن مریم اور بن باپ کے پیدا ہونے والا کہا گیا ہے اور ان کے ابن اللہ ہونے سے انکار کیا گیا ہے۔ نجاشی فرقہ طبیعت واحدہ کا (Monophysite) عیسائی تھا اور ان دنوں اس فرقے اور یونان و روما کے عیسائیوں میں بڑے سخت اختلافات تھے۔ آخر الذکر اس بات کے قائل تھے کہ حضرت عیسیٰؑ میں بوقت واحد دو طبیعتیں تھیں۔ انسانی بھی اور خدائی بھی۔

حضرت عیسیٰؑ کے متعلق سب عیسائی قائل ہیں کہ وہ روح اللہ، کلمۃ اللہ،

ہوتی ہے۔ گوجم اور والیگا کے جنوبی اضلاع میں ستمبر تک شدید بارش کا سلسلہ جاری رہتا ہے اور کبھی کبھی اکتوبر کے مہینے میں بھی چھینٹا پڑتا رہتا ہے۔ موسمِ بہار اور سرما میں بھی بارش ہوتی ہے۔ اگر دیکھا جائے تو بارش سال کے ہر مہینے میں ہوتی ہے۔ لیکن برسات کا اصل موسم جو جنوب مغربی موسمی ہواؤں سے پیدا ہوتا ہے وہ جون سے لے کر وسطِ ستمبر تک ہوتا ہے۔ اس کا آغاز شمال سے ہوتا ہے اور رفتہ رفتہ جنوب کی طرف منتقل ہوتا جاتا ہے۔ دریائے سوبت کے مخارج کے قریب جو علاقہ ہے وہاں بارش جلد شروع ہو جاتی ہے اور دیر تک رہتی ہے۔

بارش کا اوسط بھی اختلاف رکھتا ہے۔ ٹگرے اور اجھرا میں سالانہ بارش کا اوسط ۳۰ انچ ہے اور گلا لینڈ کے علاقوں میں ۴۰ انچ سے زیادہ۔

برسات کا موسم حبشں کے لیے خاص اہمیت رکھتا ہے۔ اس کی اہمیت بحرِ ارزق کے اطراف کے علاقوں کے لیے بھی اتنی ہی خاص ہے۔ مصر اور مشرقی سوڈان کی زراعت کا دارو مدار زیادہ تر اسی پر ہے۔ اگر حبشں والے اس کے پانی کو روک لیں تو مصر اور سوڈان والوں کی زراعت کے کاروبار میں کھنڈت پڑ جائے۔

نباتات

حبشں کی وادیوں اور نشیبی علاقوں میں نباتات کی بڑی

ابن مریم اور بن باپ کے پیدا ہوئے تھے۔ اس لئے شاید یہ کہا جا سکتا ہے کہ نجاشی اور اس کے درباری پادریوں نے مسلمانوں کو بھی عیسائی خیال کیا ہو اور اسی بنا پہ بُت پرست مکّیوں کے حوالے کرنے سے انکار کیا ہو۔ مسلمان حضرت عیسیٰ کے متعلق ابن اللہ ہونے سے یکلخت انکار کرتے ہیں۔ ممکن ہے نجاشی جو فرقہ طبیعتِ واحدہ کا پیرو تھا، مسلمانوں کے نقطۂ خیال کی طرف مائل ہو گیا ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ یہ خیال کرتا ہو کہ مسلمان دراصل عیسائیوں کا ایک نیا فرقہ ہوں[۱] اور رفتہ رفتہ حبشی ماحول میں وہ فرقہ طبیعتِ واحدہ میں شامل ہو جائیں اور تاریخ بھی بتاتی ہے کہ ان مسلمانوں میں سے جو اپنے مرکز اور رہادی سے دُور جا پڑے تھے۔ کم از کم دو نے عیسائیت قبول کر لی۔

مسلمان مولف بہرحال اسی کے قائل ہیں کہ نجاشی نے اسلام قبول کر لیا تھا اور یہ کہ جب اس کے مرنے کی اطلاع ملی تو آں حضرت صلعم نے اس پہ غائبانہ نماز جنازہ پڑھی۔ مگر یہ ہجرت کے بعد کا واقعہ ہے۔

مکّہ اور حبشہ میں معلوم ہوتا ہے کہ تعلقات قریبی اور آمد و رفت خاصی مستحکم تھی کیونکہ مسلمانوں کے حبشہ ہجرت کر جانے کے بعد ایک مرتبہ جب

---

[۱] ۔ اسلام کو شروع ہو کر اس وقت تک بہ مشکل پانچ سال گزرے تھے اور بجز عقائد کے بہت کم احکام نازل ہوئے تھے۔ مسلمان نماز میں بھی غالباً بیت المقدس ہی کی طرف رُخ کرتے تھے جو عیسائیوں کا مقدس ترین مقام ہے۔ ان حالات میں ان پہ اجنبی کے لئے عیسائیت کا گمان کرنا تعجب کے قابل نہ ہو گا۔ بدقسمتی سے حبشہ کی ہمعصر تاریخیں محفوظ نہیں رہی ہیں ورنہ ہمیں اسلامی مورخوں کے بیانات کا مقابلہ کرنے کا موقع ملتا۔

مکّے میں بعض عجیب حالات میں عارضی طور سے چند دن کے لئے یہ مشہور ہوا کہ قریش کو آں حضرتؐ سے اب کوئی پرخاش نہیں رہی تو فوراً حبشہ سے بہت سے مہاجر وطن واپس آگئے اس عرصے میں جب حالات کی توضیح ہوگئی تو یہ لوگ اور بعض دیگر مکی مسلمان پھر حبشہ واپس چلے گئے۔

اس کے بعد کئی سال تک کوئی خاص واقعہ پیش نہیں آیا۔ آں حضرتؐ مقامی سلوک سے دل برداشتہ ہوکر مدینہ ہجرت کر جاتے ہیں اور مقامی و مضافاتی قبائل سے سمجھوتہ کر کے اپنے اقتدار کو مستحکم کرتے ہیں اور پھر قریش پر جن کے تجارتی کاروان مسلمانوں کے زیر اثر علاقے سے گزر کر شام جاتے تھے، معاشی دباؤ ڈالتے ہیں اور نتیجۃً بدر وغیرہ کی جنگ ہوتی ہے جس میں عموماً قریش کو سخت شکست ہوتی ہے تو قریش کی ایک اور سفارت حبشہ جاتی ہے اور موقع دیکھ کر چاہتی ہے کہ آں حضرتؐ کے خلاف غصہ کو مہاجرین حبشہ پر اتاریں مگر انہیں اس دفعہ بھی ناکامی ہوتی ہے۔ مملکت اسلامیہ کی عام ترقی کے دیکھتے اب اس بات کی ضرورت نہیں رہی تھی کہ مسلمان غیر ممالک میں پناہ لیتے رہیں۔ اس لئے اسی زمانے میں (سنہ ۶ھ میں) آں حضرت صلعم نے ایک سفیر حبشہ بھیجا کہ ان مہاجرین کو مدینہ لائے۔ آں حضرتؐ کی خواہش پر نجاشی نے مہاجرین میں سے ایک نوجوان بیوہ کا آں حضرتؐ سے غائبانہ عقد بھی کرا دیا تھا۔ ان بی بی کو ساتھ لے جانا بھی مقصود تھا۔ نجاشی نے دھوم دھام سے مسلمانوں کو رخصت کیا اور انہیں تحفے تحائف دے کر اپنے جہازوں میں مدینہ روانہ کیا۔ مورخ لکھتے ہیں کہ نجاشی نے کئی کشتیاں اور بھی ساتھ کیں جن میں اس کا بیٹا اور بہت سے حبشی تھے اور ہنستا آں حضرتؐ کو دوستانہ

سلام پہنچانا تھا۔ طبری اور ابن اسحاق نے نجاشی کا خط بھی محفوظ کیا ہے جس میں نجاشی نے اپنے پوشیدہ اسلام لانے اور اپنے بیٹے کے بھیجنے کا ذکر کیا ہے۔ طوالت کے خیال سے یہ خط ہم حذف کرتے ہیں بعض مورخ یہ بیان کرتے ہیں کہ یہ کشتیاں جن میں حبشی تھے سب ڈوب گئیں لیکن بعض دیگر مورخ بیان کرتے ہیں کہ ان میں سے چند سلامت رہیں جب یہ سفارت مدینہ آئی تو آں حضرتؐ وفور اخلاق سے ان کی خود خدمت کرتے رہے۔ یہ حبشی سپاہی بعض جنگوں میں مسلمانوں کے ساتھ شریک بھی رہے۔ سمہودی نے تاریخ مدینہ میں یہاں تک لکھا ہے کہ نجاشی کے بیٹے نے حضرت علیؓ سے موالات یا بھائی چارہ اختیار کر لیا اور حبشہ واپس جا کر تخت نشین ہونے سے انکار کر دیا۔

اس سفارت کے جواب میں آں حضرت صلعم نے بھی نجاشی کو کچھ تحفے بھیجے مگر اس عرصے میں اس نجاشی کا انتقال ہو گیا۔ امام مسلمؒ لکھتے ہیں کہ اس کے جانشین کو آں حضرتؐ نے ایک تبلیغی خط لکھا مگر اس کا انجام معلوم نہیں۔

یہ خط بیہقی نے ابن اسحاق کی کتاب سے نقل کر کے محفوظ کیا ہے اور وہ یہ ہے:-

هذا كتاب من محمد النبي
الى النجاشي الاصحم
عظيم الحبشة
سلام على من اتبع

الهدى وآمن بالله
ورسوله وشهد
ان لا اله الا الله وحده
لاشريك له لم يتّخذ
صاحبة ولا ولدا وانّ
محمداً عبده ورسوله
وادعوك بدعاية
الاسلام فاني انا رسوله
فاسلم تسلم . يا اهل
الكتاب تعالوا الى
كلمة سواء بيننا و
بينكم الا نعبد الا الله
ولا نشرك به شيئا ولا
يتخذ بعضنا بعضا اربابا
من دون الله فان
تولّوا فقولوا اشهدوا
بانّا مسلمون ـ
فان ابيت فعليك اثم
النصارى من قومك
(مهر) محمد رسول الله

ابھی حال میں حبشی اطالوی جنگ کی ابتدا میں اخباروں نے دیدہ دم نے مصر کے اخبار البلاغ سے اور اس نے ادیس ابابا کے اخبار یہ بین اسلام سے نقل کر کے یہ خبر شائع کی تھی کہ نجاشی نے اپنے خزانہ سے آں حضرتؐ کا یہ خط جواب تک محفوظ ہے نکال کر مسلمانوں کے ایک وفد کو دکھایا۔ اس خط کی جو عبارت نقل کی گئی ہے وہ وہی ہے جو اوپر نقل کی گئی ہے۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ یہ بیان کس حد تک صحیح ہے، اس سے پہلے حبشہ کے اس اثری خزانے کی خبر کبھی نہیں آئی تھی حالانکہ موجودہ خبر کے بموجب حبشی اس سے اکثر مشکل اوقات میں کام لیتے رہے ہیں۔ آں حضرتؐ کے دو اور اصلی خطوط گزشتہ صدی عیسوی کے ربع سوم میں دستیاب ہوئے ہیں اور ان کے فوٹو بھی مشرق اور مغرب کے علمی رسالوں میں شائع ہوئے ہیں۔ ان دونوں کے متن بھی بالکل وہی ہیں جیسا کہ قدیم عربی تاریخوں میں محفوظ ہیں۔ اگر نجاشی کے اس مزعومہ خط کا بھی فوٹو حاصل ہو سکے تو ہم کسی بہتر نتیجے پر پہنچ سکیں گے۔

بہر حال اس میں کوئی شک نہیں کہ آں حضرتؐ کے زمانے میں مسلمانوں کے تعلقات حبشہ کے ساتھ بےحد دوستانہ رہے اور ایسی متعدد حدیثیں ملتی ہیں جن میں آں حضرتؐ نے حبشیوں سے اچھا برتاؤ کرنے کی تاکید کی ہے۔ ابتدائی دور اسلام میں بعض فرزندان حبش نے رسول کریمؐ کا بس جوش و صداقت کے ساتھ ساتھ دیا اسے مسلمان اب بھی ادب کے ساتھ یاد کرتے ہیں۔ اور پہلے موذّن حضرت بلالؓ حبشی کے نام میں وہ کشش ہے کہ جاوی زبان میں بلال کے معنی خود موذّن کے ہیں اور لندن کی مسجد میں (جو محلہ پٹنی میں ہے) سب سے پہلے انگریز موذّن کا نام بھی بلال رکھا گیا ہے اور اب بہت کم لوگ جانتے یا جاننے کی کوشش کرتے ہیں کہ مسٹر بلال کا اصلی نام کیا تھا۔ اور یہ گورے بلال خود بھی کالے بلالؓ کے

ہمنام ہونے پر فخر کیا کرتے ہیں

اور یہ بیان کیا گیا ہے کہ ابرہہ کے حملے کے سلسلے میں بہت سے حبشی ہمایہ ہو کر مکے ہی میں رہ گئے۔ کچھ عرصہ ہوا مشہور شرقیاتی پادری لامنس نے ۱۹۱۶ء کے ژورنال آزیاتیک (پارلیس) میں ایک عجیب اور قابل غور مضمون لکھا ہے:۔

Les Arabis et l'

organisation militaire de la

Re que au Siecle de l'Hegira

اس میں وہ متعدد عربی حوالوں کی بنا پر یہ نتیجہ اخذ کرتا ہے کہ قریش نے ایک مستقل فوج قائمہ (Standing Army) تیار کی تھی جس میں ان کے حبشی غلام اور بہت سے تنخواہ یاب حبشی سپاہی کام کرتے تھے اور قریش ان کو نہ صرف اپنے تجارتی کاروانوں کے سفر کے وقت بطور محافظ دستہ ساتھ لے جایا کرتے تھے بلکہ اپنی جنگوں میں بھی ان سے مدد لیتے تھے۔ مسلمانوں سے جنگوں کے سلسلے میں اکثر "قریش و احابیشہا" کا ذکر تاریخوں میں آیا ہے۔

جگہ کی تنگی کے خیال سے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ درمیانی صدیوں کے حالات جو غیر دلچسپ اور غیر اہم ہیں حذف کر دیئے جائیں چنانچہ ہم اس کے بعد صرف اٹھارویں صدی سے دورِ حاضرہ تک کے اُن حالات کو پیش کریں گے جن کا تعلق اسلام اور حبشہ سے ہے۔ کیونکہ موجودہ حبش کے حالات اور مسلمانانِ حبش اور مسلمانانِ عالم کے درمیانی تعلقات کو سمجھنے کے لئے دراصل صرف گذشتہ دو صدیوں کے حالات جاننا کافی ہوگا۔

تاریخ بین حضرات سے یہہ حقایق پوشیدہ نہین ہین کہ شاہ فواد اول کے والد اسمٰعیل پاشا خدیو مصر نے ایک وسیع سلطنت قایم کی تہی جس کے کنارے بحر ابیض متوسط سے بحر ہند کے ساحلون تک پہونچ گئے تہے۔ اسی سلسلہ مین سوڈان ارتیریا اور سومالی کو ہضم کرنے کا ارادہ بہی کیا گیا تہا۔ لیکن حالات و واقعات کے رُخ کو بدل دینا فوجون اور جنگی بیڑون کا کام نہین ہوتا۔ ظواہر کی تہہ مین کہین سے آئی ہوئی کوئی قوت متحرک رہتی ہے۔ اور دنیا کی ساری سرگرمیان اسی قوت سے وابستہ ہین۔ سنہ ۱۸۹۰ع مین جب میجر ہنٹر ہرزنگ پہونچ چکا تہا اور اس نے امیر عبدالحی عبدالشکور کو وہان کا سردار بنادیا تہا۔ فرانسیسی حکومت نے عقل کی دوربین سے یہان کے حالات کا مطالعہ کیا اور ایک جماعت بہیجکر حبش مین اپنے اثرات پہیلانے کی کوشش کی۔ یہہ زمانہ مسلمانون کے لئے سخت قسم کا آزمایشی زمانہ تہا۔ مختلف قومین انکے وطن پر دانت لگائے ہوئے تہین۔ اور حال کے سانچے مین مستقبل کا ایک نیا مجسمہ تیار ہو رہا تہا۔

انہین حالات مین جو جنگ و جدل سے مرکب تہے۔ زمانہ نے کئی کروٹین لے لین اور یہان مسلمانون کی حیثیت قابل عزت ہوگئی۔ جب موجودہ شاہ حبش کا زمانہ آیا تو اس نے اسلام کے ساتہہ اپنی گہری دلچسپی اور عقیدت کا اظہار کیا۔ پہر چونکہ آبادی کے تناسب پر نگاہ رکہتے ہوئے یہہ قرین مصلحت ہی تہا۔ اس لئے مسلم قوم کو حبشی حکومت سے شکایتین پیدا ہونے کا امکان باقی نہ رہا۔

یہان کی موجودہ حکومت کا طرز عمل اسدرجہ منصفانہ ہے کہ اگر تعصب اور تنگ نظری سے کام نہ لیا جائے تو کسی فرقے کو شکوہ سرائی کا موقع

نہین - چونکہ ہرراوراوگادین کے دوسرے مقامات پر مسلمان بہ کثرت آباد ہین اس لئے شاہ حبش ہمیشہ انکی دلجوئی اور خاطرداری کا خیال رکھتے ہین انہون نے اپنی مسلمان رعایا، کو کامل مذہبی آزادی دیدی ہے - وہ اپنے تمام فرائض علی الاعلان اداکرتے ہین - انہین حق ہے کہ عیسائی ہاتہون کا ذبیحہ نہ کہائین - ان کے لئے خاص طور پر قاضی مقرر ہین - جہان نکاح طلاق اور دیگر معاملات شرعی نقطہ نظر سے فیصل ہوتے ہین - ان تمام رواداریون اور ہمدردیون نے نہ صرف حبش کے مسلمانون پر بلکہ دوسرے ممالک کی مسلم جماعتون پر نہایت اچہا اثر ڈالاہے - اور موجودہ نزاع کے سلسلہ مین سارے مسلمانون کی ہمدردیا حبش کے ساتہ ہین - ان ہمدردیون کی تہہ مین ایک تاریخی واقعہ کے تاثرات بہی کام کررہے ہین - میری مراد ان مظالم سے ہے جو طرابلس الغرب مین اطالیہ نے مسلمانون پر روا رکہے تہے اور جن کے نشانات سنوسیون کے سینون پر آجتک نمایان ہین -

مصر، شام، شرق اردن، حجاز اور یمن کی حکومتین اس نزاع کے سلسلے مین حبش کے ساتہ پورا پورا التعاون کرنے کے لئے تیار ہین - جن مین مصر سب سے بیش بیش ہے - ابہی حال ہی مین وہان سلسلہ امداد حبش متعدد جلوس نکالے گئے - "اطالیہ مردہ باد" کے نعرون سے گونجتی ہوئی فضا مین شاہزادگان و امرائے مصر نے حبش کے ساتہ اپنے قلبی و مذہبی تعلقات کا اظہار کیا اور عملی طور پر جو کچہ حکومت مصر کررہی ہے اس سے اخبار بین طبقہ اچہی طرح واقف ہے، چونکہ مراقشی الجزائر کے عربون سے حبش کے تجارتی تعلقات نہایت بہتر پیمانہ پر قایم ہین - اس لئے ان مقامات پر بہی ہمدردی و نفرت کی ایک جامع

اضداد کبھی دوڑ گئی ہے۔

امیر عبد اللہ والی شرق اردن نے ابھی حال ہی مین ایک اعلان کے ذریعہ اپنے پوزیشن کو صاف کرتے ہوئے جن خیالات کا اظہار کیا ہے وہ بڑی حد تک غور طلب ہین۔ آپ فرماتے ہین!

بے شک بحر احمر عربی سمندر ہے۔ اس مین جو حرکات بھی رونما ہون گی وہ ہر عرب کے لئے نہایت اہم ہین خصوصاً اس نوع کی جیسی اٹلی کی طرف سے وقوع مین آرہی ہین۔ ہم اس کو اہم سمجھتے ہین، حجاز یمن اور شرقی اردن کی حکومتین یکسان ہین اور امن وسلامتی ومحبت اور متحدہ شعور کا وہ قوی رشتہ جوان متحدہ نسل ممالک کو ایک دوسرے سے مربوط کئے ہوئے ہے۔ اسی اشتراک وساوات کو اور قومی بنا رہا ہے۔ اس موقع پر مین اس بات کو نہ چھپاؤنگا کہ حبشی حکومت کے لئے ہر مسلمان اور ہر عرب کے دل مین خاص گنجائش ہے کیونکہ یہہ وہ لوگ ہین جنھون نے اسلام کی حمایت اس کی طفولیت کے دور مین کی وہ اپنی اس موجودہ مصیبت وابتلا مین مسلمانون اور عربون کی توجہ کے مستحق ہین بلکہ یون کہنا چاہئے کہ مسلمانون پر انکا اخلاقی فرض ہے جس کے ادا کرنے کا موقع آرہا ہے۔ انکی بد خصوصیت کے ساتھہ اس لئے اور ضروری ہے کہ یہہ غریب صلح کے خواہان ہین۔ مگر صلح منظور نہین کی جاتی۔

اس کے علاوہ حبشی قوم تاریخی حیثیت واعتبار کے ساتھہ ایک یادگار اور قدیم عیسائی قوم ہے اور اسی لئے مسیحی حکومتوں کی عنایت ومحبت کی حقدار ہے مگر ہم نہایت رنج وافسوس کے ساتھہ دیکھتے ہین کہ حکومت روما جو ایک تاریخی ومرکزی السلطنت ہونے کے ساتھہ مسیحی بھی ہے۔ اس مسکین وضعیف قوم پر نہایت

وحشیانہ تاخت و تاراج کرنے پر تُلی ہوئی ہے۔

امام یمن کا ایک حالیہ فرمان بھی اس سلسلے میں اس ہمدردی کو ظاہر کرتا ہے جو آجکل حبش کی جانب سے تمام مسلمانوں میں پھیلی ہوئی ہے۔ اس فرمان کا اہم اقتباس حسب ذیل ہے۔

"ان اہل یمن کو جو مصر، عدن اور جدہ میں متوطن ہیں اطالوی فوج میں کام کرنے حتیٰ کہ اجرت پر حمالی وغیرہ کرنے سے بھی منع کیا جاتا ہے۔ اور یہہ تنبیہ کی جاتی ہے کہ اگر وہ خلاف ورزی کرینگے۔ تو انکی تمہنی جائداد ضبط کرلی جائیگی۔ اور یمن میں واپس آنے پر حبس دوام کی سزا دی جائے گی"

خود حبش کے مسلمانوں میں جنکی مجموعی تعداد ۳۰ لاکھ سے زائد ہے اور جنمیں متمول تاجر، جنگ آزما سپاہی، بہترین علما، اور صاحب اثر مقررین شامل ہیں۔ جو اثرات پھیلے ہوئے ہیں وہ کچھہ کم اہمیت نہیں رکھتے، جس وقت سے جنرل وہیب پاشا جنوبی لشکر کی کمان کر رہے ہیں اور انہوں نے حبش کے لئے اپنی خدمات پیش کی ہیں یہاں کے مسلمانوں میں ایک جوش و ہیجان پیدا ہوگیا ہے۔ صاحب موصوف ایک تجربہ کار افسر ہیں اور جنگ کے نشیب و فراز پر کافی نگاہ رکھتے ہیں۔ آپنے یہاں کی فوج میں تحریک نوع کی باقاعدگی پیدا کردی ہے۔

مسلم باشندگان حبش کے احساسات ظاہر کرنے کے لئے نامہ نگار البلاغ کا حسب ذیل بیان کافی ہے۔

"اخبار برہان اسلام کا چونتیسواں نمبر شایع ہوگیا ہے جو ایتھوپیا کا سب سے بڑا اخبار ہے۔ اسمیں شیخ محمد صادق کا بھی ایک مقالہ درج ہے جو حبشی مسلمانوں

کثرت ہے۔ سطوحِ مرتفعہ پر مقابلتاً سرسبزی و شادابی نہیں وہاں صرف کہیں کہیں درخت اور جھاڑیاں دکھائی دیتی ہیں۔ شمالی علاقوں کی گھاٹیوں اور کوہ ناؤں میں لکڑی کے گھنے جنگل ہیں جنوب کے بلند علاقوں میں بھی نباتات کی کثرت ہے۔ درختوں اور اور پودوں میں حسب ذیل قابلِ ذکر ہیں:-

کھجور کے درخت، چھوئی موئی کے قسم کے پودے، خود رو زیتون، ساگوانی درخت، صنوبری سدا بہار پودے، لارل، خوشبودار گوند والے درخت وغیرہ۔ انجیر، نارنگی، نیبو، سیب، ناشپاتی، آڑو، خوبانی اور موز وغیرہ کے درخت۔ انگور کی بیلیں بھی ہوتی ہیں لیکن شاذ۔ بلیک بیری اور راس بیری (توت) کے درخت بھی ہوتے ہیں۔ روئی اور نیل اور کہیں کہیں گنّا بھی ہوتا ہے۔ جنوب میں قیمتی ساگوانی درختوں کے جنگل ہیں۔ قہوہ خاص طور سے کفا کے علاقے میں ہوتا ہے۔ کفا کے نام کی مناسبت سے قہوے کا نام "کافی" پڑ گیا ہے۔

زراعت

حبش کی سرزمین حد سے زیادہ زرخیز ہے۔ اس کی زرخیزی کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ مصر کی تمام زراعت کا دارومدار محض اس مٹی اور گاد پر ہے جو دریائے نیل میں حبش کے دریا پہنچاتے ہیں۔ زراعت وسیع پیمانے پر کی جاتی ہے، خصوصاً گلا کے باشندے اس کو زیادہ وسعت کے ساتھ کرتے ہیں

میں ایک آزاد خیال مفکر ہیں۔ یہہ مقالہ اور اخبار حبشی زبان میں ہے۔ اس لئے اسکا ترجمہ شایع کیا جاتا ہے تاکہ حبش کی مسلم اکثریت کے افکار و خیالات سے دنیائی اسلام آگاہ ہوجائے۔

"چونکہ شہنشاہ ہیلا سلاسی اول نے ہم پر احسان فرماکر حریت فکر اور آزادی زبان کی نعمت بخشی ہے۔ ساتھہ ہی یہہ بھی ظاہر ہے کہ حُبِ وطن ایک طبعی خاصہ ہے۔ اس لئے احساسِ فرض نے مجھے اکسایا کہ میں ملکِ حبش کے مسیحیون اور مسلمانون کے درمیان اتحاد کی سعی بلیغ کرون۔ کیونکہ میں اس سے واقف ہون کہ اتحاد ہی مدنیت اور آزادی کا سنگ بنیاد ہے۔ اسی لئے میں اس موضوع پر برابر مضامین لکھتا رہا ہون۔ یہان تک کہ الحمد اللہ میں اپنی کوشش کو حبشی قوم کے درمیان بار آور ہوتا دیکھہ رہا ہون۔ اور کامیابی کے آثار دیکھہ کر میرا دل فرحت و طمانیت سے باغ باغ ہوا جارہا ہے۔

اب میں نے ارادہ کیا ہے کہ بعض اجنبی اخبارات اس اتہام کی تردید کرون جو وہ ہماری قوم کے مابین پھوٹ پڑجانے کی نسبت لگا رہے ہیں۔ اور یہہ دعوے کر رہے ہیں کہ جب جنگ شروع ہوگی تو حبشی مسلمان اپنے شہنشاہ سے باغی ہوجائینگے۔

مسلمانون کے اخلاص وطن اور محبت آزادی کی دلیل ان واقعات سے زیادہ کیا ہوسکتی ہے جو انکے بعض جلسون میں رونما ہوئے۔ ان جلسونکی کارروائی کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

۱۱ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ کو حبش کی جمعیت وطنی اسلامی کے ارکان شیخ محمد عیسیٰ کے مکان میں مجتمع ہوئے اس سلسلہ میں مَیں بھی شریک تھا۔ میں نے انکے سامنے

اپنی یہہ خواہش ظاہر کی کہ مسلمانون کو نظام حربی سے آگاہ کر دیا جاۓ تاکہ وہ بھی مدافعت وطن کی عزت مین اپنے بہائیون کے ساتہہ شریک ہو سکین۔ ابھی ہم معمولی باتون مین مصروف تھے کہ صدر جمعیت شیخ عمر ابراہیم صومال سے تشریف لاۓ اور انہون نے سب کو حبشی آزادی اور استقلال کی طرف سے مدافعت کرنے پر اُکسانا شروع کیا۔ اسوقت تمام حاضرین نے کہا "ہم عنقریب اپنے ملک کی مدافعت کرینگے اور اس کے استقلال کے تحفظ کے لئے اپنی عزیز ترین چیزین قربان کر دینگے۔ حتی کہ خون کے آخری قطرہ تک سے دریغ نہ کرینگے۔ ہم جلالتہ الملک (شہنشاہ حبش) سے عنقریب ملکر اپنے اور اپنے برادران حبش کے جذبات کی ترجمانی کرینگے کہ ہم سب وطنی جہنڈے کے تلے جانین قربان کرنے کے لئے بالکل تیار ہین۔

اس کے بعد ہم سب منتشر ہو گئے مگر اس حالت مین کہ ہمارے دل شجاعت اور وطن پرستی کے سچے جذبات سے سرتاسر لبریز تھے۔ یہہ واقعہ ان واقعات مین سے ایک ہے جو دونون قومون کے اتحاد پر کافی دلیل ہے۔ سچ تو یہہ ہے کہ اگر قدیم زمانے مین مسلمانون اور عیسائیون مین سوء تفاہم کی نوبت نہ آگئی ہوتی تو مسلمان اس محبت اور دوستی کو ہرگز فراموش نہ کرتے جو ان کے اور نجاشی کے درمیان صدر اسلام مین قایم تھی اور سیدنا و نبینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا حبش کو سراہنا انہین کبھی نہ بھولتا۔ اور وہ بھولین بھی تو کیون جبکہ یہہ چیز خود ان کے دین حنیف کے احکام مین صراحت کیا تھ درج ہے۔

صاحب مضمون کا بیان اس جگہ ختم ہو گیا جہاں حبش و عرب کے تعلقات ختم ہوتے ہیں۔

باب چھٹا

حبش اور اطالیہ

سیاسی اعتبار سے ۱۸۷۰ء یورپ کی تاریخ میں بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اسی سال اطالیہ کے وطن پرستوں نے اطالیہ میں قومی حکومت قائم کی، آسٹریا کے اطالوی مقبوضات کو اطالوی حکومت میں شامل کیا اور اطالیہ نے جو ابتک صرف جغرافیائی مفہوم رکھتا تھا ایک مضبوط مرکزی حکومت کی شکل اختیار کرلی اسی سال جرمنی نے فرانس کو شکست دی اور بسمارک کی قیادت میں جرمنی کی عسکری قوتیں جاگنا شروع ہوئیں۔ اور فرانس نے ہزیمت سے شرمندہ ہوکر اپنے کھوئے ہوئے اقتدار کو دوبارہ حاصل کرنے کی ٹھان لی۔

صنعتی ترقی اور شدید وطن پرستی کے امتزاج نے یورپین اقوام کو مجبور کردیا کہ وہ خام پیداوار بہم پہونچانیوالے علاقوں اور مفید بازاروں اور منڈیوں کی تلاش کریں اور ممکن ہو تو انپر قبضہ کرلیں۔ لیکن ان اقوام کو معلوم تھا کہ یورپ میں اس آرزو کا برآنا محال ہے کیونکہ وہاں باہمی تصادم

شهنشاه حبش

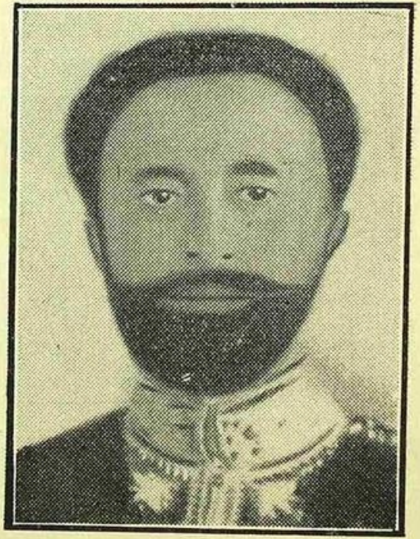

هال سلاسی

خداوند اطالیه

مسولینی

کا اندیشہ تھا اور قوموں کی قوت میں توازن قائم رہنا نہایت ضروری۔

مُدبرین یورپ نے تمام کرۂ ارض پر نظر ڈالی تو معلوم ہوا کہ افریقہ کا برآعظم رقبہ میں یورپ سے بڑا ہے اور خام پیداوار، نوآبادیات اور مصنوعات کی درآمد کے لئے بیحد موزون ہے۔ سیاسی نقطۂ نظر سے بھی اس خطۂ ارض کے استحصال میں یہ فائدہ تھا کہ یہاں دول یورپ کے مفاد میں تصادم اور باہمی رقابت کا خطرہ سب سے کم تھا۔ چنانچہ ۱۸۷۶ء میں تمام دول یورپ نے ایک کانفرنس میں شریک ہوکر افریقہ کی تقسیم پر غور کرنا شروع کیا۔ ایک بین الاقوامی انجمن بنائی گئی۔ اس کے تحت میں قومی انجمنیں بنیں جن کا مقصد افریقہ کی معقول تقسیم تھا۔ یہ کانفرنس برسلز کے مقام پر ہوئی تھی اور اطالیہ اس کا بڑا سرگرم رُکن تھا۔ استعماری ریشہ دوانیوں میں حکومتیں عام طور پر ایک دوسرے پر اعتبار نہیں کرتیں اور نہ اپنے دل کی بات کا آسانی سے اظہار کرتی ہیں۔ اس کانفرنس میں بھی یہی رویہ برتا گیا اور ہر حکومت نے یہ کوشش کی کہ اپنے خفیہ ارادے نہ بتائے اور دوسروں کے مقاصد معلوم کرے۔ اس میں تقریباً سبھوں کو ناکامی ہوئی البتہ افریقہ کی تقسیم کے معاملہ میں اتنا سمجھوتہ ضرور ہوا کہ حلقہ ہائے اثر بانٹ دیے گئے اور دول عظمیٰ نے نجی طور پر یہ طے

کرلیا کہ اسوقت تک وہ ایک دوسرے کی نقل و حرکت پر معترض نہوں گے جب تک کہ اس مداخلت سے خود اُن کے مفاد متاثر نہوتے ہوں۔

یوں کہنے کو اطالیہ اور حبش کے تعلقات چودھویں صدی عیسوی سے قائم ہیں۔اس درمیان میں کئی بار سفارتیں بھی آئیں گئیں تجارتی رشتے بھی جوڑے اور توڑے گئے لیکن دراصل اطالیہ نے اُنیسویں صدی کے نصف کے بعد ہی سنجیدگی سے افریقہ میں قدم جمانے کی سوچی ۔ جس وقت ۱۸۶۹ء میں نہر سوئز کھلی اور اس بحری مسافت کی کمی نے افریقہ کے مشرقی ساحل کو اطالیہ سے بہت قریب کر دیا تو اطالیہ کو اس ساحل کے علاقوں کی تسخیر کے خوش آیند خواب دکھائی دینے لگے۔ اسی سال تجارتی ترقی اور مالی منفعت کے خیال نے اطالوی تاجروں کے دلوں کو کچھ اس انداز سے گدگدایا کہ قبل اس کے کہ حکومت کوئی جال بچھائے اطالوی تاجروں نے ساحل افریقہ کی طرف قدم بڑھایا۔ بنائے باب المندب سے ذرا شمال میں ٹھہکر اطالوی روبا ٹینو کمپنی نے ۱۸۶۹ء میں خلیج اسباب کو وہاں کے مقامی سردار سے خرید لیا۔ اسی مبارک سال سے حبش کی جانب اطالیہ کی نگہ کرم معطف ہوئی اس خرید کے بعد رحیتہ اور اس کے آس پاس کے علاقے بھی جو اسباب سے جنوب میں واقع ہیں کسی نہ کسی طرح حاصل کر لیئے گئے

اس خطّ پر قدم رکھ لینے کے بعد ہوس کی بے رُمیاں سُرعت سے بڑھنے لگیں اور ۱۸۸۲ء کی کھلی ہوئی سازش کے بعد اطالیہ نے دلیری سے اور علی الاعلان آگے بڑھنا شروع کیا۔ ابھی پندرہ برس بھی نہ گذرے تھے کہ ساحل کے تمام اہم مقامات پر اطالوی پرچم نظر آنے لگا اور ۱۸۸۳ء میں اطالیہ نے مصر سے مساوا کا اہم بندرگاہ بھی خرید لیا۔ اس تسخیر میں اطالیہ کو دو اسباب کی بنا پر زیادہ دشواری نہیں ہوئی۔ مصر جو ایک زمانہ میں بحیرۂ قلزم کا مالک تھا اور ساحل افریقہ پر قابض تھا اندنوں اندرونی خرابیوں اور بیرونی اثرات سے پریشان ہو رہا تھا۔ استعماری ریشہ دوانیوں نے مصارف زیادہ کر دیا تھا اور اندرونی تضاد اس درجہ بڑھ گیا تھا کہ حکومت مصر اپنے ساحل افریقہ کے مقبوضات سے کچھ لاپرواہ ہو گئی تھی اور وہ اس بوجھ کو جلد از جلد اُتار پھینکنا چاہتی تھی۔ اس کے علاوہ یہاں برطانوی اثرات بڑھ رہے تھے اور برطانیہ کی استعماری پالیسی اُن دنوں کسی یورپین قوم کے اقتدار سے خوفزدہ نہوتی تھی۔ ۱۸۸۸ء تک اطالیہ کا اقتدار راس کسار کے مقام سے ادبوک تک قائم ہو چکا تھا۔ اس کے درمیانی اراضی کا طول ساڑھے چھ سو میل تھا۔ شمال جنوب کی ساڑھے چھ سو میل کی یہ پٹی عرض میں زیادہ نہ تھی۔ اطالیہ نے اس طولانی تسخیر کے بعد آہستہ آہستہ ملک میں گھسنا

LIBRARY
Anjuman Taraqqi Urdu (Hind)

شروکیا اس وقت حبش میں شہنشاہ جان کی حکومت تھی اُس نے اطالوی ارادوں کی توہ پالی اور اطالیہ کو ہدایت کردی کہ حبشی علاقوں کی تسخیر کی اجازت نہیں ہے اور ایسا کرنا تباہی اور خسارہ کو دعوت دینا ہوگا۔ لیکن اس نیم مہذب قوت کی دھمکیاں دمدمہ اور دبابہ کے شور میں گم ہوگئیں اور اطالیہ نے آگے بڑھے ہوئے قدم پیچھے ہٹانے سے انکار کردیا۔ جنوری ۱۸۸۷ء میں حبشی سپاہ نے اطالوی اقدام کی راہ روکی اور دوگالی کے مقام پر مٹھ بھیڑ ہوئی۔ حبشی سپاہ نے اطالوی سپاہ کو بالکل تباہ کردیا۔ اس ہزیمت نے اطالوی استعماریت کے جذبات اور مشتعل کردیے اور اب اُس نے جنگ سے نہ حاصل ہونے والی آرزؤں کو امن اور دوستی کے ذریعہ حاصل کرنا چاہا۔ شوائیں اُن دنوں مینلیک سہنشاہیت کا خواب دیکھ رہا تھا اور اُس کی دلی خواہش تھی کہ جلد از جلد ابھری تخت پر قابض ہوجائے۔ شہنشاہ جان کی اطاعت کا جوا اُتار پھینکے۔ اُس کی یہ آرزو جان کے جیتے جی پوری نہوئی جان سے شکست کھاکر اطالوی مینلیک کے دربار میں پہونچے۔ اور اُسے اپنی عسکری قوت جدید اسلحہ اور تازہ دم سپاہیوں کا سبزباغ دکھایا کہ اُن کی مدد سے ابھری تخت تک پہونچ جانا مشکل نہیں۔ ۱۸۸۹ء میں جان کا انتقال ہوا تو مینلیک نے اپنی آزادی کا اعلان کردیا اور جان کے تخت پر قبضہ کرکے

شہنشاہ بن بیٹھا۔ اس ہنگامہ سے اطالیوں نے فایدہ اُٹھایا
اور شہنشاہ مینلیک سے جو اطالوی مدبرین کے رگ و ریشہ سے
واقف ہو چکا تھا ۲ مئی ۱۸۸۹ء میں ایک معاہدہ کیا جو صلحنامۂ
یوچیالی کے نام سے مشہور ہے۔ اس صلحنامہ نے اطالوی
سومالی لینڈ اور حبش کے درمیان سرحدی نزاع کا خاتمہ
کردیا۔ اس کے علاوہ ایک اہم شرط بھی درج تھی کہ "ملک معظم
شہنشاہ ایتھوپیا وعدہ کرتے ہیں کہ وہ دوسری قووتوں یا مملکتوں
سے مفاہمت کرنے میں اطالوی حکومت سے مدد لیں گے"
صلحنامہ کے بعد اطالیہ اور یورپ کی حکومتیں تو یہی سمجھتی
رہیں کہ حبش اطالوی حفاظت میں آگیا لیکن اصل صلحنامہ
میں (جو امہری زبان میں تھا) اور اس کی نقل میں معنوی
فرق تھا۔ منیلیک اس سے بے خبر تھا۔ یہاں پر اس صلحنامہ
کی تشریح اسوجہ سے کردی گئی کہ حکومت اطالیہ، مسولینی
اور اس کے رفقائے کار متواتر حبش پر یہی الزام لگاتے
ہیں کہ اس نے اپنے وعدوں کو وفا نہ کیا اور خاص طور پر اس
صلحنامہ کا تذکرہ کرتے ہیں۔ یہ صلحنامہ اسوجہ سے اور
زیادہ اہم ہے کہ اسی کے بعد منیلیک نے حبش کو عروج
دینے، وہاں کے سرداروں کو مطیع کرنے اور دیگر بیرونی
مملکتوں سے معاہدے کرنے کی ابتدا کی اور اطالیہ نے بھی
اپنے مقاصد کے حاصل کرنے میں سرگرمیاں دکھائیں۔
ابھی اس صلح کو پورا سال بھی نہ گذرا تھا کہ اطالیہ نے

برطانیہ سے کئی بندرگاہ خرید لئے اور تیگرے کے صوبہ میں قدم رکھدیا۔ تیگرے کا صوبہ حبش کی حکومت میں تھا۔ شہنشاہ نے اطالیہ کی اس نقل و حرکت کو وعدہ خلافی پر محمول کیا اور ۱۸۹۳ء میں صلحنامہ اوچیالی مسترد کردیا گیا لیکن اس کے خاتمہ کے ساتھ اطالیہ کی پیش قدمیاں نہ رکیں۔ ۲۱ دسمبر ۱۸۹۳ء کو ایک اطالوی جنرل نے اگوردات کا علاقہ تسخیر کرلیا اور ۷ جولائی ۱۸۹۴ء کو کسلا پر بھی اطالوی قبضہ ہوگیا۔ ۱۵ جنوری ۱۸۹۵ء کو عدیگرات پر بھی اطالوی جنرل نے حملہ کیا اور اُس پر قبضہ کرلیا۔ منیلیک ان اطالوی اقدامات سے بے خبر نہ تھا۔ اُس نے اپنی سپاہ کی تنظیم کی۔ سرمایہ جنگ جمع کیا اور آہستہ آہستہ بڑھنے لگا۔ ۷ دسمبر ۱۸۹۵ء کو اطالیہ کو آمبا اور ۲۳ جنوری ۱۸۹۶ء کو مکال کے مقامات پر ہزیمت ہوئی اور اُسے پیچھے ہٹنا پڑا۔

جنگ عدوہ

لیکن ان ہزیمتوں نے اطالیہ کے بڑھے ہوئے حوصلوں کو پست نہ کیا۔ استعماری کامران کا خواب ایسا نہ تھا کہ یہ نیند کے ماتے جلد چونکتے۔ اطالوی سپاہ جنرل باراتیری کی قیادت میں بڑھتی گئی اور منیلیک کی سپاہ سے مقابل ہوئی۔ ۱ مارچ ۱۸۹۶ء کو جنرل باراتیری نے حبشی سپاہ پر حملہ کیا لیکن بارہ تیرہی حبش کی جغرافیائی پیچیدگیوں

لیکن چونکہ اہلِ حبش کاہل اور آرام طلب ہیں اس لئے وہ اچھے کاشتکار نہیں ہیں۔

نشیبی علاقوں میں مختلف اجناس کی کاشت کی جاتی ہے مثلاً مکئی، باجرا، گیہوں، جو، رئی، مٹر، ٹیف (یہ ملکی نام ہے)، وغیرہ۔ روئی اور گنّے کی بھی کاشت ہوتی ہے۔ انواع و اقسام کے میوہ دار درخت بھی لگائے جاتے ہیں۔ ٹیف ایک قسم کی کودوں ہے جس کے دانے رائی کی طرح باریک ہوتے ہیں۔ ملک میں اس کی روٹی عام طور پر کھائی جاتی ہے۔ نشیبی زمینوں میں "ڈوکوسا" ایک غلّہ پیدا ہوتا ہے جس سے سیاہ روٹی تیار ہوتی ہے ان کے سوا تلہن کی چند اجناس بھی پیدا ہوتی ہیں جن میں سوف، نوک اور سیلائٹ (یہ تینوں مقامی نام ہیں، دوسری زبانوں میں ان کے لیے الفاظ موجود نہیں ہیں) خاص طور سے اہم ہیں۔ ارنڈی خودرو ہے۔ سبز ارنڈی نشیبی اور مرطوب علاقوں میں ہوتی ہے اور سرخ ارنڈی معتدل آب و ہوا والے حصّوں میں۔ کٹ ایک پودا ہے جو بطور دوا کام میں لایا جاتا ہے اور مقوی سمجھا جاتا ہے۔ یہ زیادہ تر ہرر کے صوبے میں اگتا ہے۔

بلند تر سطوح مرتفعہ پر ان غلوں کی کاشت ہوتی ہے جو سال بھر اگائے جا سکتے ہیں۔ یہاں کی خاص پیداوار گیہوں، جو، ٹیف، سیاہ مرچ اور ہر قسم کی ترکاریاں اور قہوہ ہے۔ دس ہزار فٹ کی بلندی پر جو علاقہ ہے وہاں کی مخصوص پیداوار جو، جئی کی مختلف قسمیں اور کہیں کہیں گیہوں بھی ہے۔

سے بالکل ناواقف تھا۔ اطالوی سپاہ کے چار حصّے تھے۔ ایک حصّہ تعاقب میں اتنا آگے بڑھ گیا کہ بقیہ تینوں دستے بہت پیچھے چھوٹ گئے اور حبشی سپاہ نے ان کے درمیان کے تمام استحکامات پر قبضہ کر کے چاروں طرف سے اطالوی سپاہ کو گھیر لیا اور ساری فوج کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے۔ اتنی سخت شکست اٹلی کو کبھی نصیب نہ ہوئی تھی۔ ہزاروں سپاہی مارے گئے اور بکثرت اطالوی قید ہو کر عدیس ابابا پہنچائے گئے لیکن منیلیک نے ان قیدیوں کے ساتھ بڑی عنایت اور مہربانی کا سلوک کیا۔ "غیر مہذب" قوموں کا معیار اخلاق مہذب اقوام اسے بالکل مختلف ہوتا ہے۔

اس شکست کے بعد اطالیہ کو حبش سے ناکام اور پشیماں پلٹنا پڑا۔ ۱۸۹۶ء میں صلحنامہ عدیس ابابا پر اطالوی اور حبشی حکومتوں کے دستخط ہوئے۔ صلحنامۂ یوچیالی مسترد قرار پایا۔ اور اطالیہ نے حبش کی مکمل آزادی کو تسلیم کر لیا۔ اس کے بعد کئی معاہدے ہوئے جن کی رو سے سرحدی تنازعات کا فیصلہ ہوا۔ جیسا کہ اس سے قبل لکھا جا چکا ہے جنگ عدوہ کے بعد حبش کا نقشہ آہستہ آہستہ بدلنے لگا۔ منیلیک نے متعدد علاقے اپنی سلطنت میں شامل کئے اور کئی خود مختار صوبوں کو مطیع بنایا لیکن ۱۸۹۶ء کے بعد سے اطالیہ فرانس اور برطانیہ برابر اس کوشش میں لگ گئے کہ مشرقی افریقہ میں اپنا اپنا حلقۂ اثر تقسیم کر لیں اور حبش کو براہ

راست تسخیر کر کے کسی ایک حکومت کو زیادہ طاقتور نہ ہونے دیں بلکہ تینوں مساوی حصّہ کر لیں اور معاشی مفاد کی کوشش کریں رقابت اور مقابلہ کے جذبات پر قابو پا کر ان تینوں حکومتوں نے ۱۹۰۶ء میں آپس میں ایک معاہدہ کیا جو معاہدہ سہ دولی کے نام سے مشہور ہے۔ اس معاہدہ میں تینوں حکومتوں (اطالیہ فرانس برطانیہ) نے یہ اقرار کیا کہ وہ حبش کی حالت موجودہ کو برقرار رکھیں گے اور اُس کے اُن حدود کو تسلیم کر لیا جو اس سے قبل متعدد معاہدوں میں مذکور تھے۔ اُنھوں نے مزید یہ بھی وعدہ کیا کہ وہ حبش کے اندرونی معاملات میں دخل نہ دیں گے اور حبش میں اندرونی تغیرات کے موقع پر برطانیہ، فرانس اور اٹلی کے نمایندے غیر جانبدارانہ رویہ اختیار کریں گے ملک کے اندرونی معاملات میں مداخلت سے احتراز کریں گے اور مشترکہ رضامندی سے۔ صرف ایسے طریقۂ کار پر عمل پیرا ہوں گے جو سفارت خانہ، غیر ملکوں کے جان و مال اور تینوں حکومتوں کے مفاد کی حفاظت کے لیے ضروری ہوگا۔" اس معاہدہ کے دفعہ ۴ میں مذکور ہے کہ اگر حالات موجودہ میں انتشار پیدا ہو تو فرانس، برطانیہ اور اٹلی پوری کوشش کریں گے کہ ایتھیوپیا کی حکومت باقی رہے۔ ہر حالت میں یہ تینوں حکومتیں آپس میں سمجھوتہ کریں گی۔ اس کا مقصد یہ ہوگا کہ (ب) ارتیریا اور صومالی لینڈ کے سلسلہ میں حبش میں اطالوی مفاد کا تحفظ ہو۔ خاص طور پر اطالوی مقبوضات کے عقب کے

علاقوں اور ان کے علاقہ جاتی تعلقات کے نقطۂ نظر سے، جو عدلیس ابابا کے مغرب میں پیدا ہو گئے ہیں۔ اس کے بقیہ دونوں دفعات اس خیال سے نظر انداز کر دئے گئے ہیں کہ اُنکا تعلق حبش میں برطانوی اور فرانسیسی حلقوں کی تشریح سے ہے۔

یہ معاہدہ اپنے نتائج اور موجودہ تنازع حبش کے لحاظ سے بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ یہ معاہدہ اطالوی مدبّرین کے اس دعوی کے تردید کے لیے کافی ہے کہ حبش نے اپنے معاہدہ کی خلاف ورزی کی ہے۔ اس کی شرائط پر نظر ڈالنے سے فرانس برطانیہ اور اطالیہ کی دیانت داری کا راز فاش ہوتا ہے اور یہ حقیقت بھی روشن ہو جاتی ہے کہ خلاف ورزی کس نے کی ہے۔ اس معاہدہ سے مغربی حکومتوں کا سیاسی رویہ بھی نمایاں ہو جاتا ہے۔

جب تک منیلیک زندہ رہا اطالیہ کی جرأت نہ ہوئی کہ دوبارہ حبش کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھتا۔ لیکن منیلیک کے انتقال کے بعد حبش میں پھر فساد شروع ہو گیا۔ تخت کے دعویداروں کے ہنگامے خطرناک حد تک پہونچ گئے لیکن خیر گذری کہ اسی زمانہ میں جنگ عظیم چھڑ گئی اور یورپ کی مشغولیت نے دول عظمیٰ کو اتنی مہلت نہ دی کہ وہ اس ہنگامہ سے خاطر خواہ فائدہ اُٹھاسکیں لیکن اس فتنہ کے دوران میں بھی یورپین سیاست افریقہ کے استعماری امکانات سے بے خبر نہ رہی۔ اٹلی نے جنگ عدوہ میں جو شکست کھائی تھی اُس نے اُس کے مقاصد میں انتقامی

جذبہ بھی پیدا کر دیا تھا۔ قومی وقار کے عروج اور سیاسی و معاشی مفاد کے حصول نے اُسے پچھلے پندرہ بیس برسوں میں چین سے بیٹھنے نہ دیا تھا اور وہ برابر موقع کی تلاش میں رہتا تھا کہ حبش کی سونے کی چڑیا کو اپنے پنجوں میں پکڑ لے۔ جنگ چھڑی تو اتحادیوں کو اطالیہ کی مدد کی ضرورت پڑی۔ اطالیہ نے اس موقع کو غنیمت جانا اور جبوقت ۲۶ر اپریل ۱۹۱۵ء کو خفیہ صلحنامہ لندن پر برطانیہ فرانس روس اور اٹلی کے درمیان اتحاد کا معاہدہ ہوا تو اطالیہ نے معاہدہ میں یہ شرط بھی لکھوا لی کہ "اس موقع پر جبکہ جرمنی کے تصرف سے فرانس اور برطانیہ افریقہ میں اپنے نوآبادی علاقے بڑھائیں تو یہ دونوں حکومتیں (فرانس اور برطانیہ) اُصولاً اس بات پر راضی ہیں کہ اطالیہ بھی کچھ معقول معاوضہ کا مطالبہ کر سکتا ہے بالخصوص یہ مطالبہ اُن سوالات کے خاطر خواہ فیصلہ سے متعلق ہوگا جن کا تعلق ارتیریا، صومالی لینڈ اور لبیا کی سرحدوں سے ہے اور فرانس اور برطانیہ کی پڑوس کی نوآبادیات سے ہوگا" اس معاہدہ کے بعد اطالیہ جنگ میں شریک ہوا۔ اور جب جنگ ختم ہو گئی تو نومبر ۱۹۱۹ء میں اطالیہ نے حکومت برطانیہ کے سامنے اُسی پچھلے خفیہ معاہدہ کی بنا پر چند مزید مطالبات پیش کئے جس کی پہلی شرط تو یہ تھی کہ اطالیہ برطانیہ کے ان مطالبات کی حمایت کرے گا جن کا تعلق جھیل تانا کی مراعات سے ہے۔ یہ مراعات اطالوی حلقۂ اثر میں اسوقت تک نہ رہینگی جب تک کہ حلقہ ہائے اثر تقسیم نہ ہو جائیں۔ اس کے

علاوہ اطالیہ برطانیہ کے اس مطالبہ کی بھی حمایت کرے گا جس کا تعلق جھیل تانا اور سوڈان کے درمیان ایک موٹر کی سڑک بنانے سے ہے۔ اس کے بدلہ میں برطانیہ کو لازم ہے کہ وہ اطالیہ کے اس مطالبہ کی حمایت کرے جس کا تعلق ارتیریا اور صومالی لینڈ کے درمیان حبش کی راہ ریلوے لائین بنانے سے تھا۔ یہ لائن عدیس ابابا کے مغرب سے ہو کر جانیوالی تھی۔ اور یہ کہ اطالیہ اپنے حلقۂ اثر میں تمام حقوق کو مخصوص کرتا ہے۔"

لیکن جنگ ختم ہو چکی تھی۔ برطانیہ کو اب اطالیہ کی حمایت کی ضرورت نہ تھی۔ چنانچہ اطالیہ کے مشورے اور مطالبات خفیہ کاغذات کی اندھیری کوٹھریوں میں پھینک دے گئے۔

حبش میں خانہ جنگیاں ختم ہو چکی تھیں۔ تخت حکومت پر منیلیک کی لڑکی زیدیتو بٹھائی جا چکی تھی اور راس تفاری کو مدارالمہام مقرر کر دیا تھا۔ ۱۹۱۹ء میں جس وقت صلحنامۂ پیرس مرتب ہوا تو اطالیہ کو معلوم ہوا کہ سارے خفیہ معاہدے اور حمایت کے وعدے حصول مطلب کے لئے گئے تھے۔ اُس نے دیکھ لیا کہ صلحنامۂ وارسائی کی شرائط تیار کرتے وقت برطانیہ اور فرانس نے اطالوی مطالبات اور مفاد کو بالکل نظر انداز کر دیا اور افریقہ کی مقبوضات کے اطالوی خواب کی تعبیر کچھ نہ نکلی۔ افریقہ میں جرمنی مقبوضات فرانس برطانیہ اور بلجیم کے درمیان تقسیم ہو گئیں اور اطالیہ کو صرف وعدہ فردا پر ٹال دیا گیا۔

راس تفاری دور اندیش مُدبّر تھا۔ اُس نے محسوس کر لیا کہ یورپ کی قوتوں سے موجودہ حالات میں طاقت کے بل پر مقابلہ ناممکن ہے۔ ان سے پیش پانے کی یہی ایک صورت ہے کہ ان کے باہمی تنازعات اور کشمکشوں سے فائدہ اُٹھا کر جس قدر آسانیاں ممکن ہیں حاصل کر لی جائیں۔ اسی خیال سے اُس نے ۱۹۲۳ء میں مجلس اقوام کی رُکنیت کی درخواست دی۔ اس کی درخواست کی اطالیہ اور فرانس نے حمایت کی لیکن برطانیہ نے شدید مخالفت کی۔ برطانیہ جانتا تھا کہ اس درخواست کے پردہ میں اطالیہ کی چالیں چھپی ہیں۔ اور اُسے خوف تھا کہ مبادا اطالیہ اس رفاقت سے مجلس اقوام اور حبش میں وہ مراعات نہ حاصل کر لیے جو برطانوی مفاد کے لئے مضر ہیں۔ لیکن برطانیہ کی مخالفت بے سود ثابت ہوئی۔ ۲۰ر ستمبر ۱۹۲۲ء کو مجلس اقوام نے حبش کی درخواست منظور کر لی اور حبش باقاعدطور پر مجلس اقوام کا رکن ہوگیا۔

مسولینی کے بعد

مشہور ماہر عمرانیات میکس بیر نے اپنی کتاب "عہد قدیم میں سماجی جد وجہد میں رومتی الکبری کے زوال کے اسباب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "جب وقت ذرائع زندگی ناکافی ثابت ہوئے تو اہل روما نے محنت کے

THIS EBOOK IS DOWNLOADED FROM
SHAAHISHAYARI.COM

LARGEST COLLECTION OF URDU
SHERS, GHAZALS, NAZMS AND EBOOKS.

طریقے، سائنٹیفک اور میکانکی ایجادیں، ترقی یافتہ آلات وغیرہ نہیں تلاش کئے بلکہ قوت کے بل پر، جنگ، فتوحات، اور ڈکیتی کی مدد سے کام لیا۔ محنت کی اعلیٰ پیداوار نہیں بلکہ ہزیمت خوردہ ملکوں سے خراج حاصل کرنا روم کا مقصد رہ گیا۔"

اطالیہ کے موجودہ مقاصد اور مسائل کا بھی بجنسہ یہی حال ہے۔ اس پر مزید تبصرہ کرنے سے قبل مناسب ہے کہ ہم مسولینی کے اُصول زندگی یعنی اطالیہ میں فاشزم اور اُس کے عسکری اور جہانگیری مقاصد پر ایک نظر ڈال لیں۔ مسولینی ۱۹۲۳ء میں بر سر اقتدار آیا اور اُس نے فاشزم کو حکومت کا اصول کار بنایا فاشزم سرمایہ دارانہ نظام معاشرت کی گرتی ہوئی دیوار کا آخری سہارا ہے۔ ڈکٹیٹر شپ کی سختیوں کے ماتحت اس کا یہ مقصد ہے کہ شدید قومی جذبہ پیدا کیا جائے اور تمام متضاد جماعتوں کو ملا کر قوم کی سماجی ضروریات حاصل کی جائیں۔ شدید وطن پرستی پر عسکریت کی بنیاد ہے اور چونکہ سرمایہ داری کی بد ترین خرابیاں یہاں پائی جاتی ہیں لہذا یہاں سرمایہ دار طبقہ پورے طور پر سود اور نفع حاصل کرتا ہے اور سماج من حیث المجموع ترقی نہیں کر پاتا۔ اسی لئے فاشزم کو تسخیر ملکی کی سخت ضرورت ہوتی ہے کیونکہ استعماریت پر عمل کئے بغیر اشیاء خام نہیں مل سکتی اور نہ مفتوحات اور نو آبادیات کے لئے مفید اراضیاں نصیب ہو سکتی ہیں مسولینی نے ان ضرورتوں کو محسوس کیا۔ اُسے افریقہ میں اطالیہ کی پچھلی استعماری ریشہ دوانیوں کا علم تھا۔ اُس نے

برطانیہ کو اپنا ہمراز بنایا اور اُس سے حبش کے معاملہ پر نامۂ و پیام شروع کر دیا اور ۱۴ اور ۲۰ دسمبر ۱۹۲۵ء کو دونوں حکومتوں کے درمیان یادداشتیں تبدیل ہوئیں۔ برطانیہ نے جھیل ٹانا پر بند بنانے اور سوڈان اور جھیل کے درمیان موٹر کی سڑک تیار کرنے کے لئے مراعات حاصل کرنے میں اطالوی حمایت کے وعدہ کے جواب میں یہ وعدہ کیا کہ وہ عدیس ابابا کے مغرب میں ارتیریا اور صومالی لینڈ کے درمیان ریلوے لائن بنانے میں اطالوی کی حمایت کریگا۔ برطانیہ نے چند اور مراعات کے بدلے یہ بھی وعدہ کیا کہ حبش کے مغربی حصہ میں برطانیہ اطالیہ کے مخصوص معاشی اثر کو تسلیم کرتا ہے اور اُن تمام علاقوں میں بھی جن سے یہ ریلوے لائن گذرتی ہو۔

حکومت حبش نے نئے خطرہ کو محسوس کر لیا۔ راس تفاری جانتا تھا کہ معاشی مراعات کے لئے باہمی سمجھوتے کی رسیاں کتنی لمبی ہو سکتی ہیں اور ان سے کتنے سیاسی فایدے اُٹھائے جا سکتے ہیں جو یقیناً حبش کی آزادی کے حق میں خطرناک ہیں۔ اُس نے پہلے اطالیہ اور برطانیہ کو ۵ اجون ۱۹۲۶ء کو احتجاجی یادداشتیں بھیجیں اور سارا قضیہ مجلس اقوام کے سامنے پیش کر دیا۔ برطانیہ اور اطالیہ کے درمیان میں یہ خفیہ مول تول یقیناً قابل افسوس تھا۔ دنیا کا کوئی قانون اور اصول اس کی اجازت نہیں دیتا

کہ ایک بیرونی حکومت اپنے مفاد کی غرض سے کسی خودمختار ملک کی تقسیم کے لیے اُس حکومت سے نہیں بلکہ دوسری بیرحکومت سے سمجھوتہ کرلے۔ چنانچہ برطانیہ کے نام جو یادداشت بھیجی گئی اُس میں یہ بھی لکھا تھا کہ وہ ہم کبھی یہ شک نہیں کرسکتے تھے کہ حکومت برطانیہ ہماری جھیل کے متعلق کسی دوسری حکومت سے سمجھوتہ اور معاہدہ کریگی۔"

مجلس اقوام میں سارا راز طشت ازبام ہوا اور حبش نے اس کی اتنی اشاعت کی کہ اطالیہ اور برطانیہ کو مجبور ہوکر اپنے ارادوں کی تاویل کرنی پڑی اور عجیب و غریب دلیلوں سے یہ سمجھانا پڑا کہ اس سے اُن کا مقصد حبش کی آزادی پر حملہ کرنا نہ تھا۔

مسولینی نے دیکھ لیا کہ غیر مہذب حبش کے مُدبر اپنے ملکی معاملات میں اتنے سادہ لوح نہیں ہیں جتنا وہ انھیں سمجھتا تھا۔ اب اس نے یہ چاہا کہ اپنا کام دُشمنی سے نہیں بلکہ امن اور دوستی سے نکالے اور اس درمیان میں جنگی تیاریاں کرکے موقع کا منتظر رہے۔ چنانچہ ۲؍ اگست ۱۹۲۸ء کو اطالیہ اور حبش کے درمیان "ابدی رفاقت" کا ایک معاہدہ ہوا جس کے بعد مسولینی نے پرجوش طریقہ پر کہا کہ وہ حبش کے ساتھ ہمارے تعلقات بہت دوستانہ

قہوہ ملک کی خاص پیداوار ہے۔ کفا کا بلند علاقہ اس کا گھر ہے۔

قہوے کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو جبشس کا جو وسیع پیمانہ پر تمام جنوبی بلند علاقے میں پیدا ہوتا ہے۔ قہوہ کی دوسری قسم "ہرر سوکا" ہے۔ یہ اعلیٰ قسم کا قہوہ ہے۔ اس کی کاشت میں خاص احتیاط برتی جاتی ہے۔ یہ ہرر کے بلند علاقے میں ہوتا ہے۔

ملک میں یوں تو قدیم سے روئی کی کاشت ہوتی ہے لیکن اس کا نرخ بڑھ جانے سے بیسویں صدی عیسوی کے اوائل سے اس کی کاشت میں اچھا خاصا اضافہ ہوگیا ہے ہواش کی وادی اس کے لیے بڑی زرخیز ثابت ہوئی ہے۔

بلند سطوح مرتفعہ پر تخم ریزی مئی میں شروع ہوتی ہے اور نچلی سطوح مرتفعہ پر اور میدانی علاقوں میں جون میں لیکن بعض علاقوں میں جہاں گرما کا زمانہ طویل ہوتا ہے اور بارش زیادہ ہوتی ہے وہاں تخم ریزی اور کٹائی ساتھ ساتھ ہوتی رہتی ہے۔ بہت سے علاقوں میں دو فصلیں ہوتی ہیں اور کئی جگہ تین۔

کاشتکاری کے طریقے ابتدائی اور قدیم ہیں۔ مرد ہل چلاتے ہیں اور لڑکیاں اور عورتیں فصل کاٹتی ہیں۔ اناج کی بالوں اور بھٹوں کو کھلیان میں ایک جگہ جمع کر لیا جاتا ہے اور دمری (دانوں کو بالوں سے الگ کرنے) کے لیے جانور چلائے جاتے ہیں۔ اناج کو گڑھوں میں جمع کیا جاتا ہے۔ ہلکی زمین میں جس قدر تخم بویا جاتا ہے اس کے آٹھ یا دس گنا اناج برآمد ہوتا ہے۔ زمین کا بہت بڑا حصہ ایسا ہے جس میں کاشت شدہ اناج کا بیس بیس اور تیس تیس گنا پیدا

ہو گئے ہیں۔ بالخصوص راس تفاری (موجودہ شہنشاہ) کے اطالوی سفر کے بعد۔ وہ بادل جو رقیبوں نے تعلقات حبش کی فضا پر گھیر دے تھے اب صاف ہو گئے ہیں۔ دوستی کا معاہدہ۔ پہلا معاہ ہے جو حبش نے کسی یورپین قوت کے ساتھ کیا ہے وہ اس جدید اور مسرت آگین صورت حال کے لیے بڑا مفید ہو گا"۔ اس صلحنامہ کی شرط دویم رو سے دونوں فریقین نے یہ عہد کیا کہ وہ کوئی کارروائی نہ کریں گے جو ایک دوسرے کی آزادی کے لیے مضر ہو۔ دفعہ پانچ میں یہ بھی منظور کیا گیا کہ اگر دونوں حکومتوں کے درمیان کوئی ایسی نزاع پڑ جائے جو بجز جنگ کسی طرح پر طے نہ ہوتی ہو تو ایسی صورت میں دونوں حکومتیں ثالث مقرر کر کے نزاع کا تصفیہ کریں گی"۔ اسی معاہدہ کے ہمراہ ایک دوسرے معاہدہ کی رُو سے دلیسی کے مقام سے جو عدیس ابابا سے ڈیڑھ سو میل شمال مشرق میں واقع ہے بندرگاہ اساب تک موٹر کی سڑک کی تعمیر کا وعدہ ہوا اور اطالیہ نے اساب کے بندرگاہ کو حبش کے لئے آزاد کر دیا۔ لیکن سڑک نہ بن سکی جس کا الزام غالباً دونوں حکومتوں پر ہے

اسی معاہدہ کے کچھ دن بعد عالمگیر کساد بازاری شروع ہوئی اور سرمایہ داری نظام کے اندرونی تضاد نمایاں طور پر نظر آنے لگے۔ اس کساد بازاری نے اطالیہ کی رہی سہی دولت بھی ختم کر دی۔ فاشزم اس کے لئے تیار نہ تھا کہ اپنے

دولت آفرینی، تبادلہ اور تقسیم کے بنیادی اصول ترک کردے اور ایک سرے سے کساد بازاری بیروزگاری اور تنگدستی کا خاتمہ کردے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ملک کی عسرت، عوام کا روز افزوں افلاس، بیروزگاری میں دن دونی رات چوگنی ترقی، دولت کا فقدان، مصنوعات کی پیدائش میں کمی، اشیاءِ خام کی کم یابی اور اس پر مستزاد آبادی میں حیرت انگیز اضافہ۔ ان سب نے حکومت کو مجبور کیا کہ وہ ان مسائل پر سنجیدگی سے غور کرے۔ ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ فاشزم معاشی لائحہ عمل اور مساوات کے منافی ہے چنانچہ اُس نے اپنی دشواریوں کے انسداد کے لئے ان تدبیروں پر عمل نہ کیا بلکہ ان کے برخلاف وطن پرستی کے جذبہ میں شدت پیدا کر کے عسکری تیاریوں میں اور اضافہ کر دیا اور دوبارہ افریقی فتوحات کا خواب دیکھنے لگا کہ وہیں سے اشیاء خام کی برآمد اطالوی کارخانوں کی ٹھنڈی چمنیوں کو دوبارہ گرم کر سکتی ہے اور ملکی مصنوعات کے لئے وہیں اچھے بازار مہیا کئے جا سکتے ہیں اور اطالیہ کی آبادی کے ایک حصّہ کو ان ملکوں میں بسایا جا سکتا ہے۔ اِن ارادوں کی تشریح خود مسولینی کی اُس تقریر سے ہوتی ہے جو اُس نے فاشسٹ جماعت کے دوسرے پنج سالہ جلسہ میں ۱۸ مارچ ۱۹۳۴ء کو کی تھی۔ افریقہ اور ایشیا میں اطالیہ کے ”تاریخی مقاصد“ کا تذکرہ کرتے ہوئے مسولینی نے کہا کہ ”اس صدیوں پرانے فریضہ کے متعلق جسے میں

اطالیہ کی موجودہ اور آیندہ نسلوں کو تفویض کرتا ہوں کوئی غلط فہمی نہ ہونی چاہیے۔ علاقوں کے فتح کرنے کا کوئی سوال نہیں ہے بلکہ سوال ''قدرتی پھیلاؤ'' کا ہے۔ اطالیہ کو سب سے زیادہ حق حاصل ہے کہ وہ افریقہ کو تہذیب سکھائے۔ بحیرۂ روم میں اُس کی جغرافیائی حیثیت ایسی ہی ہے۔ ہم تفویضات اور اجارے نہیں مانگتے لیکن ہم یہ ضرور چاہتے ہیں کہ وہ قومیں جنہیں سب کچھ حاصل ہے فاشسٹ اطالیہ کے روحانی، سیاسی، اور معاشی پھیلاؤ کی راہ میں رکاوٹیں نہ ڈالیں۔ اس تقریر نے دانایان حبش کے کان کھڑے کر دیے۔ حبش اور اطالیہ میں پھر خط و کتابت شروع ہو گئی اور ۱۹۲۸ء کے معاہدہ کی مزید تصدیق ۵ و ۲۹ ستمبر ۱۹۳۴ء کو روم کے مقام پر کی گئی اور فریقین نے اس کا اعلان کر دیا۔

ابھی اس اعلان کو دو ماہ بھی نہ گذرے تھے کہ گوندر کے قونصل خانہ کا حادثہ پیش آیا۔ حقیقت واقعہ یہ تھی کہ ایک حبشی عورت کے دو چاہنے والے تھے۔ ان میں سے ایک اطالوی قونصل خانہ واقعہ گوندر میں ملازم تھا۔ رقابت کی آگ تیز ہوتی گئی اور نوبت یہاں تک پہونچی کہ اس ملازم کے رقیب نے قونصل خانہ میں گھس کر اُسے قتل کر دیا۔ یہ واقعہ بالکل شخصی حیثیت رکھتا تھا لیکن اطالیہ نے سرکاری طور پر اس کی شکایت کی تو حکومت حبش نے اطالیہ کے تمام وہ مطالبات جو اُس نے پیش کئے تھے اس

وجہ سے تسلیم کر لئے کہ وہ معاملات کو وہیں ختم کر دینا چاہتی تھی۔

حادثۂ وال وال

صوبہ اوگادین وار دیر کے مقام پر اطالوی سرحدی انسپکٹر ویرلے ڈالے پڑا ہے۔ اردگرد اُس کے دیسی رفقا کا ہجوم ہے۔ ۲۲ نومبر کی تاریخ ہے۔ کپتان رابر ٹوسیا کھڑا ہوتا ہے اور یوں تقریر کرتا ہے کہ وہ انگریز جبشیوں کی معیت میں وال وال تک آپہونچے ہیں لیکن باشندگان صومالی لینڈ شیر ہیں اور اگر شیروں کو راہ میں شکار مل جاتا ہے تو وہ اس کی گردن مروڑ کر اُس کا خاتمہ کر دیتے ہیں تم بھی یہی کرنا۔ اب میں اُن لوگوں سے باتیں کرنے جاؤں گا اور معلوم کروںگا کہ وہ کیا چاہتے ہیں۔ اب تک صرف میرے جنگی طیارے ہی آئے ہیں لیکن اب مسلح موٹریں آئیں گی جن میں کلدار بندوقیں لگی ہوں گی۔ جب یہ یہاں آجائینگی تو تمہیں اہل حبش سے ذاتی طور پر لڑنے کی ضرورت نہوگی کیونکہ ایسی مشینیں جو زمین پر چلتی ہیں اور ایسی مشینیں جو ہوا میں اُڑتی ہیں کافی ہونگی۔

مشترکہ برطانوی اور حبش کمیشن کے اراکین صلحنامہ ۱۸۹۷ء کے مطابق برطانوی سومالی لینڈ اور حبش کی سرحدیں قائم کرنے کی غرض سے ۲۳ نومبر کو وال وال کے مقام پر آکر

ٹھہرے۔ یہاں کے کنوؤں پر اطالوی دستوں کا قبضہ تھا۔ اور جیسا کہ برطانوی یادداشت سے ثابت ہوتا ہے" اطالیہ کے عسکری طیارے کمشنروں کے خیموں کی جانب جھکتے اور اُن کے قریب چکر لگاتے تھے برطانوی کمشنر نے کپتان رابرٹو سیماروتا سے اس اشتعال انگیز مظاہرے پر اپنی ناراضگی جتائی اور یہ بتایا کہ مزید پیچیدگیوں سے بچنے کے لیے حبشی حکومت کی خاطر برطانوی مشن جلد از جلد عادو کے مقام کو واپس ہو جائے گا" چنانچہ برطانوی اراکین عادو کو واپس گئے لیکن اُنہوں نے احتیاطاً حبشی محافظین کو وہیں چھوڑ دیا"

متذکرہ بالا تقریر اور کمیشن کے ورود کو ابھی صرف بارہ روز گذرے تھے وہ وال وال کے مقام پر مشترکہ کمیشن کے حبشی محافظ ڈیرے ڈالے پڑے تھے۔ کچھ لوگ خیموں میں بیٹھے تھے کچھ باہر اپنے گھوڑوں کے کھلانے پلانے میں مصروف تھے کہ دفعتاً گولیوں کی باڑھ اور بندوقوں کے شور سے ساری فضا گونج اٹھی اور چشم زدن میں نہتے حبشیوں کی لاشیں زمین پر تڑپنے لگیں۔ شمار کرنے پر پتہ چلا کہ اطالوی آتش باری سے ۱۰۷ حبشی ہلاک اور ۴۵ مجروح ہوئے ہیں۔ یہ حادثہ ۵ر دسمبر ۱۹۳۴ء کو پیش آیا ہے۔

باب ساتواں

لیگ کا حشر اور استعمار

لیگ آف نیشنز ان قومی ریاستوں کی مجلس ہے جو موجودہ سماجی اور اقتصادی نظام کے دائرہ میں رہ کر جنگ کے سدباب اور امن کے قیام کی متمنی ہیں۔ قبل اس کے کہ ہم مسئلہ زیر غور کی طرف رجوع کریں اچھا ہوگا ان حالات پر ایک نظر ڈال لیں جن میں لیگ اور اس کے ارکان انسداد جنگ کے لئے جد وجہد کر رہے ہیں۔

ہمارے سماج میں مال فائدہ کے لئے پیدا کیا جاتا ہے۔ مال پیدا کرنے والے طبقہ کی کوشش یہ ہے کہ مال کم سے کم خرچ میں زیادہ سے زیادہ مقدار میں پیدا ہو۔ جب مال اتنا پیدا ہونے لگتا ہے کہ اپنے ملک کی ضروریات سے زیادہ ہو تو اسے بیرونی بازاروں میں کھپانے کی تدبیر کی جاتی ہے۔ اور تیار مال کی مانگ کی زیادتی کے ساتھ خام اشیا کی تلاش شروع ہو جاتی ہے۔ بیرونی بازاروں میں مال کی فروخت اور خام اشیا، کی خرید

کے لئے سرمایہ لگانا پڑتا ہے۔ جب تک ان سرمایہ داروں کے حقوق کے تحفظ کی ضمانت نہ ہو وہ ہمیشہ معرض خطر میں رہینگے۔ یہہ ضمانت صرف قومی ریاست کی پشت پناہی اور اسکی فوجی طاقت ہی سے ہو سکتی ہے۔ سرمایہ داروں کا یہہ گروہ بیجی فائدہ کی غرض سے زیادہ سے زیادہ مال بیچنے کی فکر کرے گا۔ اور خام اشیاء کے حصول کی آسانیاں ڈھونڈیگا۔ ان مین برابر باہمی رقابت رہا کریگی۔ اور ایک کی تباہی پر دوسرے کی ترقی کا مدار رہا کریگا۔ جب سرمایہ داری بیرونی بازارون کی تاک میں رہیگی تو سامراج کا دور شروع ہوگا۔ اور اس کے استحکام کی بنیاد لامحالہ عسکریت پر ہوگی۔ جب سامراجی رقابت عسکری رقابت کی شکل اختیار کرلے گی تو جنگ کا ہونا لازمی ہے۔ گویا جنگ کچھ دیوانون اور حریصون کی تخریب پسندی کی نمائش نہیں ہے بلکہ ہمارے نظام زندگی کا جزو لاینفک ہے۔ جب تک دنیا مختلف قومی ریاستون مین بٹی رہیگی اور انکی باگ ڈور ایک ایسے طبقے کے ہاتھ مین ہوگی جو ذاتی فائدہ کے دوام کے لئے انہیں اپنا آلۂ کار بنالیتا ہے۔ اسوقت تک جنگ پیدائشی ناسور کی طرح انسانیت کے دل پر ٹھوکے دیا کریگی۔

لیگ آف نیشنس انہیں قومی ریاستون کی مجلس ہے جو جنگ عظیم کے بعد حسب ذیل بلند بانگ مقصد کی تکمیل کے لئے وجود میں آئی۔ "بین الاقوامی تعاون اور عالمگیر امن و خیر کے حصول کے لئے ہر رکن یہہ وعدہ کرتا ہے کہ جنگ کا روادار نہ ہوگا۔ اور باہمی تعلقات مین معاہدون کی تمامتر ذمہ داریون اور انصاف کا پورا پورا خیال رکھیگا۔"

اس مجلس کی بنیاد اس زمانہ مین رکھی گئی جب نوآبادیون کے کروڑون

باشندے سیاسی یا اقتصادی اعتبار سے دوسرے ملکوں کے غلام تھے۔ جب جنگ عظیم کے پسماندہ ممالک پر ورسیلیز کے صلحنامہ کا بار لاد دیا گیا تھا اور خود لیگ کے سربرآوردہ ارکان ذاتی اغراض کے لئے باہم دست و گریبان تھے پھر یہ کہ لیگ کے احکام کوئی حکمی حیثیت نہ رکھتے تھے۔ یہ مشورے تھے جنہیں ماننا نہ ماننا رکن کی سعادتمندی پر منحصر تھا۔ انتہائی درجہ پر لیگ اس وعدہ شکن رکن پر حد جاری کر سکتی ہے لیکن اس کے لئے جملہ ارکان کی منظوری ضروری تھی۔ ہنوز لیگ کی تاریخ میں یہ فیصلہ صرف ایک مرتبہ ہوا۔ اور اس کے نفاذ میں جس قسم کی دقت پیش آئی اسکا ذکر آگے آئیگا۔

ہر قومی ریاست حقوق مطلق کی مالک ہے اور کیونکہ قوم کا وہ طبقہ برسر اقتدار ہے جو سماج کی اقتصادی نظام کا فرمانروا ہے اور جسکی حیات کیلئے مالی استعماریت ضروری ہے، لہذا لیگ آف نیشن کی اسکیم کئی اضداد کا مجموعہ ہے۔ مالی استعمار وطن کے مزدوروں نوآبادیوں کے کسانوں اور پڑوس کے ملکوں کو خاک بسر کرکے پروان چڑھتا ہے۔ اور اب اسی اصول کے علمبردار قیام امن اور بین الاقوامی تعاون کی غرض سے ایک انجمن بنا رہے تھے۔ اس انجمن کی کمزوری اور حد بندی ظاہر ہے کہ اس کے ارکان کے اغراض اور مقاصد اختلافی ہیں۔ چھوٹے ممالک بڑی طاقتوں کی آڑ ڈھونڈتے ہیں۔ انکے دہن ال کے برتے جیتے ہیں۔ وقت پڑنے پر انہیں لیگ میں اپنے محسن کا ساتھ دینا ہی ہوگا۔ حبش و اطالیہ کے تنازع میں آسٹریا، ہنگری اور البانیہ کے برتاؤ کو ہم بطور ثبوت پیش کر سکتے ہیں۔ جنہوں نے علی الاعلان تجدیدون کی حمایت سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ وہ اپنے محسن اطالیہ کے خلاف نہیں جا سکتے جاپان اور چین کا معاملہ کچھ کم عبرتناک نہیں۔ کیونکہ چین سے

کسی بڑی طاقت کے فوری اغراض وابستہ نہ تھے۔ اور اگرچہ روس امریکہ اور برطانیہ کو جاپان کی پیش دستی سے سخت نقصانات کا اندیشہ تھا لیکن ان تینوں میں اتحاد عمل ممکن ہی نہ تھا۔ اس وجہ سے لیگ کے شدید احتجاج کے باوجود جاپان چین کی تِکا بوٹی کر رہا ہے۔ لیکن اس کے خلاف کسی قسم کی کوئی کارروائی نہیں کی جاتی۔ اگر لیگ کے فیصلوں کی کوئی قدر و قیمت ہوتی یا اس کے ارکان کی نیت بخیر ہوتی تو آئے دن یہہ نظارے نہ دیکھتے کہ اس کے ارکان فرداً فرداً خفیہ یا علانیہ خود حفاظتی کے لئے اقرارنامے تیار کرتے ہیں۔ پیکٹ بناتے ہیں تخفیف اسلحہ کی کانفرنسوں کا ڈہونگ رچاتے ہیں۔ اقتصادی کانفرنس کا نفاذ کرتے ہیں۔ اور ان ساری ترکیبوں کا نتیجہ یہہ ہوتا ہے کہ ہر ملک کا فوجی بجٹ روز افزوں ترقی کرتا جاتا ہے۔

لیگ کی ممبری خود اختیاری تھی اسوجہہ سے جب کبھی کوئی رکن یہ دیکھتا تھا کہ اسکی مصلحتوں میں یہہ مجلس مانع ہو سکتی ہے تو وہ فوراً اپنا استعفیٰ داخل کر دیتا تھا۔ امریکہ، جاپان، اور جرمنی کی مثالیں ابھی تک تازہ ہیں۔ اطالیہ کی طرح جو ارکان زیادہ دیدہ دلیر تھے وہ اغیار کی طعن و تشنیع سے بے پروا ہو کر لیگ کے مورچہ پر ڈٹے ہوئے اپنی مطلب برآری کر رہے تھے۔ لیگ کی بے بسی کا اس سے زیادہ اور کیا ثبوت ملسکتا ہے کہ مسولینی بارہا اسکا مذاق اڑا چکا لیکن اسکے نمائندہ کو برقرار رکھنے کے لاکھہ جتن کئے جا رہے ہیں۔ کئی ارکان نے بحدید کے متفقہ فیصلہ کی خلاف ورزی کی (آسٹریا اور ہنگری) لیکن انکا کوئی کچھہ نہ بگاڑ سکا۔

لیگ کے تجربہ نے یہہ بتلا دیا کہ جب تک قومی ریاستیں مطلق العنان رہنگی

اور سرمایہ داری اور استعمار کی خاطر عسکری رقابت جاری رہیگی۔ تب تک امن اور بین الاقوامیت کا خواب سراسر فریب ہے۔ وہ دہوکہ کہا ئیگا جو اپنی فوجی قوت سے بے نیاز ہوکر لیگ کا سہارا لیگا۔ یہہ بہی معلوم ہوا کہ اس زمانہ مین کوئی کمزور ملک۔ خصوصاً وہ جو نوآبادی بننے کے امکانات رکھتا ہو۔ اپنے کو سامراجی طاقتون کے دست برد سے نہین بچا سکتا۔

سامراجی رقابت

حبش اور اطالیہ کے تعلقات پر کسی دوسرے باب مین اجمالی نظر ڈالی جاچکی ہے۔ انکی منافشت کا فوری سبب وال وال کا حادثہ ہے جو دسمبر ۱۹۳۴ء مین وقوع پذیر ہوا۔ اس معاملے کے لیگ مین آتے اور زیر غور ہوتے ہوئے کئی ماہ گذر گئے اُس زمانہ مین لیگ کس ماحول مین کام کر رہی تہی۔ اور اس کے ارکان اعلیٰ کی سیاسی مصلحتون کا رخ کیا تہا۔ ایک نظر یہ بہی دیکہہ لینا چاہیے۔

منچوریا اور جاپان کے قضیہ نے لیگ پر ایسی کاری ضرب لگائی تہی کہ پنپنا محال معلوم ہو رہا تہا۔ عام طور پر اس کے اقتدار پر حرف زنی کی جا رہی تہی اور جب جرمنی نے ورسائی کے معاہدہ کی خلاف ورزی کرکے لیگ کی ملامت سے بے پروا ہوکر مسلح ہونا شروع کیا تو گویا لیگ کی جان لبون پر آگئی جو لوگ لیگ کے داعی تہے اس کے اقتدار کو از سر نو تازہ کرنے کی فکر کرنے لگے۔

یورپ مین فرانس اور اطالیہ کے پیش نظر اس وقت ایک ہی مقصد ہے وہ ہے جرمنی کے توسیعی ارادون کی روک تہام، خصوصاً آسٹریا کو اس سے ملحق نہ ہونے دینا۔ لیکن افریقہ کی نوآبادیون کی وجہہ سے ان دونون مین ایک عرصہ سے کشیدگی چلی آتی تہی۔ اطالیہ کو شکایت تہی کہ ٹیونس کی فرانسیسی حکومت وہان کے اطالوی

ہوتا ہے۔ شمالی حصوں میں بہت ہی کم زمین غیر مزروعہ رہتی ہے۔ غیر مزروعہ زمین میں اعلیٰ قسم کی روئی کی پیداوار کے بڑے وسیع امکانات ہیں۔

اہل حبشہ مویشیوں کی ایک بڑی تعداد پالتے ہیں جن میں سنگا یا گلا کا سانڈ سب سے زیادہ عام ہے۔ بیل ہل جوتنے کے لیے رکھے جاتے ہیں اور گائیں زیادہ تر گوشت کے لیے۔ نادیا سانڈ کی قسم کے کئی مویشی ہیں۔ لیکن اس کے سوا اور بھی نسلیں ہیں بھیڑوں کے بڑے زبردست منڈے ہیں جن کی دُمیں چھوٹی اور موٹی ہوتی ہیں۔ بھیڑوں کی بڑی تعداد ایسی ہے جس سے اُون نہیں نکلتی لیکن ایک ضلع میں سیاہ رنگ کی چھوٹی بھیڑ ہوتی ہے جس سے اُون حاصل کی جاتی ہے۔ چھوٹی پہاڑی بھیڑ وزن میں دس سے پندرہ سیر تک ہوتی ہے۔ بکریاں دو قسم کی ہوتی ہیں، لمبے بالوں والی اور کم بالوں والی۔ اروسی گلا علاقے کی بکری کے بال نفیس اور نرم ہوتے ہیں اور درازی میں سولہ انچ ہوتے ہیں۔ گوشت بھیڑ اور بکری دونوں کا عمدہ ہوتا ہے۔ ۱۹۰۴ء میں بھیڑوں اور بکریوں کی تعداد بیس کروڑ تھی۔ مکھن کی بڑی مقدار گائے بکری اور بھیڑ کے دودھ سے حاصل کی جاتی ہے صوبۂ لیکا میں چھوٹے سیاہ رنگ کے سور بڑی تعداد میں پالے جاتے ہیں۔ گھوڑے بہت بڑی تعداد میں ہیں یہ چھوٹے لیکن مضبوط ہوتے ہیں اور قد میں ساڑھے چار فٹ ہوتے ہیں۔ گھوڑوں کی عمدہ نسلیں شوا کے بلند علاقے میں ہوتی ہیں۔ گدھا پست قد لیکن مضبوط ہوتا ہے۔

پردیسیوں سے اچھا سلوک نہیں کرتی۔ مگر اصلی وجہ شکایت یہہ تہی کہ فرانس اسے افریقہ مین پہیلاؤ کا موقعہ نہین دیتا۔ گذشتہ جنوری میں دونوں حکومتوں کے مابین ایک معاہدہ ہوا جسمین فرانس نے اطالیہ کو کئی مراعات دیں۔ ان میں سے ایک تو یہہ تہی کہ اس ریلوے میں اطالیہ کے حصے بھی ہونگے۔ جو جبوتی (فرینچ صومالی لینڈ) سے عدیس آبابا (دار الخلافہ حبش) تک جاتی ہے۔ اور عدن کی کہاڑی کے مہانے پر زمین کا ایک ٹکڑا اطالیہ کو دیا جائے گا۔ اخباروں نے یہہ بھی لکہا کہ دونوں ملکوں میں ایک خفیہ معاہدہ بھی ہوا ہے جس کی رو سے حبش پر اطالیہ کے قبضے کو فرانس تسلیم کریگا اور اس مہم مین اسکی مخالفت نہ کریگا اس کے بدلے وہیں جرمنی کی گوشمالی میں وہ دونوں ایک دوسرے کی تائید کرینگے۔ فرانس کو بھروسہ نہ تھا کہ جرمنی سے نبرد آزمائی کی صورت میں برطانیہ اسکا ساتھ دیگا۔ اور اسے یہہ بھی معلوم تہا کہ حبش اس کے ہتے نہ چڑھ سکے گا۔ پھر کیوں نہ اطالیہ کو ہوس رانی کا موقع دیکر رام کر لیا جائے۔ اسطرح اس کے مقبوضات بھی بے خطر ہو جائینگے۔ اور ان دونوں رقیبوں کو اسکی دوستی خریدنے کے لئے مجبور ہونا ہوگا۔ براعظم یورپ پر جرمنی تن تنہا رہ جائے گا۔ اور اطالیہ سے اسکے اتحاد کا خدشہ دور ہو جائے گا۔ برطانوی اور جرمنی کے بحری معاہدہ نے فرانس کو اور بھی چوکنا کر دیا۔ اور وہ اطالیہ کی دوستی کا زیادہ آرزومند ہو گیا۔

لیگ کے تمام ارکان تین گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ ایک میں برطانیہ اور اسکے مقبوضات کے نمایندے ہیں۔ دوسرے مین فرانس اور اس کے حلیف ہیں جن میں اب ہم سوویٹ روس اور ترکی کو بھی شامل کر سکتے ہیں۔ تیسرے مین اطالیہ پولینڈ آسٹریا وغیرہ — غیر مطمئن ممالک ہیں جو جنگ عظیم

یا ورسائی کے صلحنامہ کے زخم خوردہ ہیں۔ اب اطالیہ کو صرف برطانوی گرڈ کا مقابلہ کرنا تھا اور وہ انکی دقتوں کو خوب سمجھ رہا تھا۔ اس نزاع کے متعلق لیگ کے رویہ سے بحث کرنے کے پہلے اُن سامراجی ممالک کی ابلہ فریبیوں کو اچھی طرح سمجھ لینا ہے جو قبل ازین خود حبش کی غلامی کے ڈول ڈال چکے ہین اور اب مال غنیمت کی تقسیم کو انصاف وصداقت کی محافظت سے تعبیر کر رہے ہین۔ اس ضمن مین لنڈن کے مشہور اخبار "نیولیڈر" بابت ۲۳ اگست ۱۹۳۵ء کے ایک مبسوط مضمون کا خلاصہ یہان درج کیا جاتا ہے جن سے ان استعماری ریشہ دوانیوں کا راز کھلتا ہے"۔ اس سے پہلے برطانیہ نے حبش کو اطالیہ کا دائرہ اثر تسلیم کر لیا تھا۔ لیکن اطالیہ کی شکست (۱۸۹۶ء) نے اسے موقعہ دیدیا۔ کہ اپنا اُلو سیدھا کرے۔ ۱۹۰۶ء میں برطانیہ فرانس اور اطالیہ کے مابین ایک معاہدہ ہوا جسمین حبش کی تقسیم کی پیشین گوئی موجود ہے۔ اسمین حبش کی سالمیت کے رسمی اور جھوٹے وعدہ بھی تھے۔ لیکن درحقیقت اسکی رو سے برطانیہ کو نیل ازرق کے سوتے کا، مالک اطالیہ کو مغربی حبش کا مختار اور فرانس کو اسکی ریل کے علاقہ کا کارساز بنا دیا گیا تھا۔

اس سامراجی رہزنی کے افسانے کا دوسرا باب جنگ عظیم کے آغاز کے ساتھ شروع ہوتا ہے۔ یون تو اطالیہ اور اسٹریا سے اطالیہ کی ملی بھگت تھی لیکن برطانیہ اور فرانس نے اسے توڑ لیا۔ ان مین ایک خفیہ سمجھوتہ ہوا۔ جسکی رو سے اطالوی استعمار کو یقین دلایا گیا کہ اس کے افریقی مقبوضات کو حبش میں پھیلاؤ کا موقع دیا جائے گا۔ بعد از جنگ برطانیہ نے کوشش کی کہ تانا جھیل میں بند باندھ کر نیل ازرق کی دوامی حفاظت کا انتظام کرے۔ اطالیہ نے کہا لم

اگر برطانیہ مغربی حبش میں اس کے مالی اجارے کی تائید کرے تو اس کے عوض وہ برطانیہ کے اقدام کی تائید کرے گا۔ لیکن برطانیہ رضامند نہ ہوا۔ ایک تو فرانس کی بری کا ڈر تھا۔ اور پھر یہ زعم بھی تھا کہ اٹالیہ کی مدد کے بغیر وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیگا۔ اس نے اٹالیہ کو یاد دلایا کہ اسکی واحد اجارہ داری ۱۹۰۶ء کے صلحنامہ کیخلاف ورزی ہوگی جسمیں حبش کی سالمیت کا وعدہ کیا گیا ہے۔ چھ سال بعد یانسہ پلٹ گیا۔ حکومت حبش برطانوی مطالبات سے بے اعتنائی برت رہی تھی اور اب انہیں منوانے کے لئے برطانیہ کو اطالوی مدد کی ضرورت تھی۔ اسلئے حبش کی آزادی کے وعدے یاد نہ رہے۔ اب وہ مغربی حبش کو اطالیہ کا دائرہ اثر ماننے کے لئے تیار ہو گیا۔ لیکن اسی اثنا میں ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ حکومت حبش نے اس سمجھوتے پر نفرین کرتے ہوئے اس کی سامراجی ہوسناکیوں کا پردہ لیگ کے سامنے فاش کر دینے کی دھمکی دی۔ اسطرف سے نا امید ہو کر برطانیہ نے ایک نیا داؤں کیا۔ اس نے حبش کو یہ رشوت دی کہ وہ برطانوی صومالی لینڈ سے ساحل تک (۲۰۰) مربع میل کا ایک خطہ لے لے۔ برطانوی حکومت کو حبش کی رضامندی کا اتنا یقین کامل تھا کہ ۱۹۲۶ء میں ایک ایسا نقشہ بھی شایع کر دیا جس میں یہ خطہ اور زیلہ کا بندرگاہ حبش کی سرحدیں دکھا دیئے گئے تھے۔ لیکن انکی پریشانی کی انتہا نہ رہی جب حبشیوں نے اس تجویز کو بھی مسترد کر دیا۔"

حبش سے چار سامراجی ممالک کے اغراض وابستہ ہیں۔ برطانیہ کو تانا جھیل کی فکر ہے جسے سوڈان اور مصر کی روئی کی کاشت کا سرچشمہ کہنا چاہئے۔ برطانوی بینکروں کو بنک آف ابی سینا کی فکر ہے جو انکے بنک آف اجپٹ کی شاخ ہے۔ فرانسیسی سرمایہ داروں کو اپنی ریل کی حفاظت کا کھٹکا ہے۔ جو جبوتی سے عدیس ابابا

تک جاتی ہے۔

جاپانی سامراج کو روئی کی کاشت اور کپڑوں کے بازار کا خیال ہے جنکا وہ ایک طرح سے اجارہ دار بنا ہوا ہے۔

اطالوی سامراج نے ڈاک اور تار کا ٹھیکہ لے رکھا ہے۔

کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ باقی تینوں اطالیہ کے جبر پر اس لئے نفرین کر رہے ہیں کہ انکے دل حب انسانیت سے یکایک معمور ہو گئے ہیں۔ بلکہ حقیقت میں یہ ڈاکوؤں کی آپس کی لڑائی ہے جنہیں اطالیہ پر یہ رشک ہے کہ وہ مال غنیمت کو بلا شرکت غیرے ہڑپ لینا چاہتا ہے۔

برطانوی سامراج کو یہ دھڑکا لگا ہوا ہے کہ کہیں تانا جھیل ہاتھ سے نہ نکل جائے سوڈان اور مصر کی وادیاں کربلا کا منظر نہ پیش کریں۔ اور بحر قلزم کی اطالوی قوت کہیں سوئز کی چابی نہ چھین لے۔ علاوہ بریں مسولینی صاف صاف کہہ رہا ہے کہ مشرقی روم میں برطانوی اقتدار کے دوام کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ یعنی وہ سلطنت برطانیہ کے قلب کی حرکت روک دینا چاہتا ہے۔

مختصر یہ کہ جب یہ تنازع برطانیہ اور اطالیہ کے اغراض تک محدود رہ گیا تھا اور ایک طرف فرانس اپنے جرمنی حریف کی روک تھام اور دوسری طرف جاپان اپنے چینی شکار کی دارو گیر کی طرف ہمہ تن مشغول تھا۔ تو یہ معاملہ لیگ آف نیشنل کے آگے پیش ہوا۔

لیگ نے کیا کیا۔ لیگ کے تعینات کا خاکہ پیش کیا جا چکا ہے اور یہ بھی دکھلایا جا چکا ہے کہ امن و صداقت کے وہ گندم نما جو فروش علم بردار کون تھے جنکے بھروسے پر حبش نے اپنی زندگی کی بازی لگا دی تھی۔ ان کمیٹیوں اور تاریخوں

کا گوشوارہ آخر میں درج کیا گیا ہے۔ جنکا ماحصل محض یہہ ہے کہ برطانیہ اور اطالیہ میں مخاصمت کی گفت و شنید ہوتی رہی اور فرانس بیچ بچاؤ کے فرائض انجام دیتا رہا۔ اصل وجہ مخاصمت یہہ تھی کہ دونوں مغربی علاقے پر قبضہ کرنا چاہتے تھے۔ اطالیہ کے لئے اسکی اہمیت یہہ تھی کہ ملک کا سارا دھن مال یہیں موجود ہے اور آب و ہوا کے لحاظ سے بھی وہ نوآبادی کے لئے نہایت موزون ہے۔

سودا پٹ جاتا اور غالباً اطالیہ اپنے رقیب کے آگے سر نیاز خم کر دیتا لیکن وہ واقعات ایسے ہوئے جن سے اسکا پلہ بھاری پڑ گیا۔ جرمنی نے پولینڈ کی طرف قدم بڑھایا۔ اور اگست میں یکایک عالمگیر جنگ کے بادل گھر آئے اب ضرورت آن پڑی کہ اطالیہ اور جرمنی کو الگ رکھا جائے۔ دوسرے برطانوی نوآبادیوں میں سے کئی نے جنگ میں شرکت سے انکار کر دیا۔ خطرہ پیدا ہو گیا کہ اگر تحدیدوں کی سختی نے جنگ کی شکل اختیار کر لی تو یہہ اختلاف بڑھ کر خانہ جنگی کی صورت نہ اختیار کرے۔

لہذا برطانیہ نے اپنا ہاتھ روک لیا اور دورخی محاذ قایم کر دیا۔ ایکطرف تو فرانس کی وساطت سے سمجھوتے کی گفت و شنید ہوتی رہی اور دوسری طرف لیگ پر تحدیدوں کی سختی کے لئے دباؤ ڈالا جانے لگا۔ مطلب یہہ تھا کہ اطالیہ کی مٹھی ڈھیلی ہوتی جائے۔ اور جب فیصلہ ہو تو برطانیہ کے حق میں ہو۔ کیونکہ مالی بائیکاٹ سے اطالیہ کمزور ہوتا جائے گا۔ اور بالاخر اسے برطانوی مطالبات کے آگے جھکنا پڑیگا۔

لیگ کے میثاق کی بیسوین شرط میں یہہ مذکور ہے:۔ "لیگ کے ارکان فرداً فرداً اقرار کرتے ہیں کہ اس میثاق کی رو سے وہ تمام معاہدے اور

سمجھوتے خود بخود منسوخ ہو جائینگے۔ جو اس کے منافی ہیں۔ اور وہ وعدہ کرتے ہیں کہ آیندہ کوئی ایسی مفاہمت نہ کرینگے۔ جو اسکی دفعات کے خلاف ہو۔ بالفرض اگر کسی رکن نے لیگ میں شرکت سے پہلے ایسا سمجھوتا کر لیا تہا تو اسے اسکی تنسیخ کے لئے فوری کارروائی کرنا چاہئے۔"

یہہ معاملہ اخباروں میں بارہا آچکا ہے کہ برطانیہ اور لیگ کو اطالیہ سے سب سے بڑی شکایت یہہ ہے کہ وہ ستمبر ۱۹۰۶ء کے اس صلحنامہ کی خلاف ورزی کر رہا ہے جو حبش کے متعلق برطانیہ فرانس اور اطالیہ کے مابین ہوا تہا۔ حبش کے متواتر احتجاج کی پروانہ کر کے تینوں دول عظمی نے اس پر دستخط کرلئے تہے۔ اسمیں ضمناً تو حبش کی آزادی اور سالمیت کا ذکر کیا گیا تہا لیکن فی نفسہٖ یہہ اس کے حصے بخرے کا اقرار نامہ تھا۔ تینوں نے پورے ملک پر اپنے اپنے دائرہ اثر کی تشریح کردی تہی۔ برطانیہ اس علاقے کا حریص تہا۔ جہاں ٹانا جھیل اور نیل ازرق کی سوت واقع ہے۔ فرانس ہرار کے صوبے کو دبانا چاہتا تہا۔ جو فرینچ صومالی لینڈ سے ملا ہوا ہے ان دونوں نے اطالیہ کو شریک غالب مان لیا تہا۔ اور صلحنامے میں اسے اریٹریا سے اطالوی صومالی لینڈ تک ریل بنانے اور ملک کے مغربی صوبوں کو ہڑپ لینے کی اجازت دیگئی تہی۔ لیکن ایک قید یہہ لگا دی گئی تہی کہ یہہ لوٹ مشترک ہو۔ کسی ایک کو اکیلے حبش کے معاملات میں دخل دینے کی اجازت نہ تہی۔ دخل دینے کی ضرورت ہو تو تینوں ملکر اقدام کریں۔ اس صلحنامے سے تین معنی نکلتے ہیں۔

(۱) تینوں دول عظمی حبش سے کہہ سکتے ہیں کہ وہ خود اطالیہ کے دائرہ اثر میں آجائے۔ یعنی اسے ریل بنانے اور کانیں کہودنے کی سہولتیں بہم پہنچائے۔

اوران حقوق کی حفاظت کے لئے اسے فوجی سنتری رکھنے کی اجازت دے۔ علاوہ بریں مالی معاملات میں اطالوی مشیرون سے ہدایت لیا کرے۔

۲- تینون حکومتین حبش کو اپنے مطالبات کیلئے مجبور کر سکتی ہیں۔

۳- برطانیہ اور فرانس کو استحقاق ہے کہ اطالیہ کو جارحانہ دست اندازی سے روک دیں۔

سوال یہہ ہے کہ کیا اس قسم کا معاہدہ لیگ کے میثاق کی روسے باطل نہیں ہو جاتا۔ اور کیا لیگ کا یہہ فرض نہ تہا کہ حبش کو اپنا رکن بنانے کے بعد ہی ان سامراجی ممالک کو تنبہ کردی کہ اب وہ صلحنامہ ناجائز ہو جاتا ہے۔ جو صریحاً حبش کی سالمیت کے خلاف ہے اور اسکے لئے ہمیشہ ناقابل قبول رہا ہے۔

اس کے باوجود ہمیں معلوم ہے کہ لیگ نے اسی معاہدہ کو مفاہمت کی بنیاد قرار دے دیا ہے اور ابتک جتنی ہی تجویزیں پیش کی گئی ہین انکا مدار اسی صلحنامہ پر ہے اب دیکھئے کہ لیگ، اور اس کے بانیون نے کیسی کیسی بدعنوانیان کین اور اپنے میثاق کو کس طرح کہلونا بنالیا۔

جب یہہ نزاع لیگ مین پیش ہوئی تو بجائے اس کے کہ اسکے ہر پہلو کی تفتیش کی جائے تحقیقات کا دائرہ محض وال وال کے حادثے تک محدود رکہا گیا۔ اور وہ بہی اس حد تک کہ دونون مین سے کس نے پہلے حملہ کیا۔

سنہ ۱۹۰۶ع کے معاہدے کے تینوں شریکوں یعنی برطانیہ، فرانس اور اطالیہ نے اثنائے گفت و شنید مین حبش سے براہ راست مشورہ نہین کیا۔ اور سمجہوتے کی غرض سے برطانیہ اور فرانس نے جو اسکیم اطالیہ کے آگے پیش کی اسکی تشریح "مینچسٹر گارجین" (بابت ۲۳ اگست) ان الفاظ مین کرتا ہے: "جو کچہہ معلوم ہوا اوس کی بناء پر یہہ کہا جاسکتا ہے

کہ یہ تجاویز اطالیہ کے حق میں از حد مفید تھیں۔ اور انپر اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ وہ حبش کی آزادی کو خطرے میں ڈال دینگی۔ سیاسی خودمختاری کے جو عام مفہوم ہیں اُنسے حبش یقیناً محروم کر دیا گیا تھا۔ انکی رو سے برطانیہ کے اغراض تانا جھیل تک اور فرانس کا دائرہ جبوتی ریلوے تک محدود کر دیا گیا تھا۔ لیکن اطالیہ کی مالی کارگذاریوں کو بڑی وسعت کا موقع دیا گیا تھا۔ اور اسکے باشندوں کے آباد ہونے کے لئے مناسب علاقے مخصوص کر دیئے گئے تھے۔ فرانسیسی "اخبار تان" نے اعتراض کیا کہ ان تجاویز پر عمل کیا جاتا تو حبش میں اطالیہ کے وہی حقوق ہوتے جو فرانس کو مراکش میں ہیں۔"

بعد ازاں لیگ کے ایما سے پانچ ممالک کی کمیٹی نے حبش کی اصلاح اور بہبودی کی غرض سے جو رپورٹ پیش کی اُسکا مطلب یہہ تھا کہ ملک کے سرکاری اداروں پر لیگ کا مینڈیٹ قایم ہو اور مالی انتظام غیر ملکی مشیروں کے ہاتھ میں ہو۔ گو کسی ایک ملک کو اختیار خصوصی دینے کا ذکر نہ تھا۔ مگر حبش کی مالی ترقی میں خاص اطالوی اغراض کا اعتراف کیا گیا تھا۔ اور فرانس و برطانیہ کے اغراض کو نقصان پہونچائے بغیر اطالیہ اور حبش کو اقتصادی سمجھوتہ کرنے کی اجازت دیگئی تھی۔

اس رپورٹ کو بیزہ کر ناظرین جو بھی مطلب نکالیں، ہم اپنی طرف سے متذکرہ بالا اخبار کی ایک اطلاع کا ترجمہ کر دیتے ہیں۔ "لیگ کونسل کے جلسے میں روس ترکی اور رومانیہ کے نمایندوں نے رپورٹ پر اسوجہ سے اعتراض کیا کہ اسکی مراعات حبش کی حق تلفی کرتی ہیں۔ رومانیہ اور ترکی کا زاویہ نگاہ یہہ ہے کہ میثاق کی اس شرط کی خلاف ورزی کی جارہی ہے جسمیں لیگ کے ہر رکن

کی سیاسی آزادی اور سالمیت کا اعلان کیا گیا ہے۔ اسوقت پتہ چلا کہ ترکی کے نمایندے توفیق پاشا نے جبراً وقہراً اس رپورٹ پر دستخط کئے ہیں۔"

حبش اس قربانی کے لئے بھی تیار ہو گیا لیکن اطالیہ کی مغرور گردن خم نہ ہوئی اور اس نے لیگ کی درخواستون کو ٹھکرا کر اسی دوران مین حبش پر حملہ کر دیا۔

اپنے اصولوں کو بالائے طاق رکھکر اور خلاف ضابطہ لیگ نے اطالیہ کو رام کرنے کی مسلسل کوششیں کین۔ لیکن اطالیہ اسے خاطر مین بھی نہ لایا۔ اب اپنے اقتدار کو قایم رکھنے کے لئے لیگ کو میثاق کی سولھوین شرط کیطرف متوجہ ہونا پڑا اور تحدیدون کا نفاذ کرنے کے لئے مجبور ہونا پڑا۔

اس معاملہ مین لیگ کے سہو و تساہل کی داستان سبق آموز ہے اس کے ارکان نے بلا وجہ حبش کو اسلحہ بھیجنے کی ممانعت کر رکھی تھی۔ اور یہہ ایسے وقت جب اطالیہ روز روشن مین اسکی سرحد پر آلات غارتگری کے انبار لگا رہا تھا۔ اور اپنے پورے ملک کو مسلح ہونے کا فرمان دیرہا تھا۔ جب جنگ شروع ہو چکی اور اطالوی افواج نے نہتے حبشیون پر بم برسانے شروع کردئیے تو لیگ کی کمیٹی کئی روز تک اس مسئلہ پر غور کرتی رہی کہ جانبین مین سے حملہ آور کون ہے۔

یہہ حقیقت ہے کہ لیگ کی پوری تاریخ مین کسی رکن نے اس کے احکام اور ضابطہ کی ایسی پابندی نہین کی جیسی حبش نے کی۔ اس کے تحفظ کے نام پر لیگ نے ہنوز جو کچھہ کیا اسکا خاکہ نیچے پیش کیا جاتا ہے۔

۱۔ اطالیہ کے جارحانہ اقدام پر ملامت کی تجویز جملہ ارکان نے بالاتفاق منظور کرلی یہہ کوئی عملی کارروائی نہ تھی کیونکہ کوئی سامراجی ملک اتنا غیرت دار نہیں ہوتا کہ محض احتجاج یا ملامت کی وجہ سے اپنی جیرہ دستیون سے باز آجائے۔ قبل ازین

جاپان اور جرمنی کو بھی اسی طرح مردود قرار دیا گیا تھا۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ انکے ارادوں میں زیادہ شدت پیدا ہوگئی۔

۲۔ حبش کو آلات حرب خریدنے کی اجازت دیدی گئی۔ اور اطالیہ کو آلات جنگ نہ بیچنے کی ممانعت کر دی گئی۔ اس سے نہ حبش کو کوئی خاص فائدہ ہوا اور نہ اطالیہ کو کوئی خاص نقصان۔ اس جنگ کی وجہ سے حکومت حبش کی رہی سہی رائے بھی کم ہوگئی۔ اس کے پاس نہ اتنا زر نقد تھا کہ وہ آلات خرید سکتی اور نہ غیر ملکی سرمایہ دار اسے قرض پر زیادہ مال دینے کے لئے اب تیار تھے۔ ایک تو اطالیہ نے پہلے ہی سے اتنا سامان جنگ خرید لیا تھا کہ سالہا سال تک وہ کسی کا محتاج نہیں اور دوسرے اسمیں اتنی استطاعت تھی کہ خود حسب ضرورت آلات جنگ تیار کر سکتا تھا۔ پھر یہ بھی مدنظر رہے کہ بہت سے ملکوں کو حبش سے کوئی خاص ہمدردی یا اطالیہ سے بیر نہ تھا۔ اور وہ لیگ کی آنکھ بچا کر آسانی سے اطالیہ کے ہاتھ ہر قسم کا مال بیچ سکتے تھے۔ کیونکہ کوئی ایسا ذریعہ نہ تھا جو ان پر احتساب لگا سکے۔ صرف ہر قوم کی نیک نیتی کا بھروسہ تھا۔ یہ ایسی گلاب چھڑی تھی کہ جس طرف چاہو موڑ لو۔

جب مالی تحدید لگانے کی باری آئی تو پہلے اعلان کیا گیا کہ اطالیہ کی حکومت یا باشندوں سے ہر طرح کا ادھار کھاتا بند کر دیا جائے۔ اس سے حکومت پر تو کوئی اثر پڑ نہ سکتا تھا۔ کیونکہ اس پر کسی کا ایک پیسہ نہ آتا تھا۔ اسے جو خریدنا تھا کھرا سونا دیکر خرید لیتی جسے دیکھ کر اس وامان کے بڑے بڑے پجاریوں کے منہ میں پانی بھر آتا ہے۔ کیونکہ امریکن حکومت کی گذشتہ اطلاع سے پتہ چلتا ہے کہ انکی تنبیہ کے باوجود سرمایہ دار کھلے خزانہ نقد دام لے کر اطالیہ کو ہر قسم کا سامان

خچر بڑی تعداد میں پائے جاتے ہیں جو سواری اور بار برداری کے کام آتے ہیں لیکن سواری کے لیے اس کو گھوڑے پر بھی ترجیح دی جاتی ہے۔ خچر ہر موسم اور آب و ہوا میں اچھا رہتا ہے اور دشوار گزار پہاڑی راستوں کو بحفاظت تمام طے کرتا ہے اور ایسے راستوں میں بھی ایک سو سیر کا وزن بآسانی لے جاتا ہے۔ اس کا قد عموماً چار فٹ دو انچ ہوتا ہے۔

معدنیات اور پیداوار

انجنیروں اور سیاحوں نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ حبش میں معدنیات اور نیل کی جو دولت ہے یورپ اس وقت اس کا خاص طور سے محتاج ہے۔ معدنیات کے زبردست خزائن حال میں دریافت ہوئے ہیں۔ بحرارزق کے سیلاب سے جو ریت برآمد ہوتی ہے اس میں اس قدر سونا نکل سکتا ہے کہ ملک مالا مال ہو جائے۔ اس میں تو مطلق شبہ نہیں کہ ملک میں چاندی، پلاٹینم، تانبا، سیسا اور ابرک کی کمی نہیں۔ جنوبی یا جنوب مغربی صوبوں میں خام سونے کی کانیں ہیں۔ والیگا کے ضلع میں صوان کے سلسلے ہیں جن سے ایک حد تک سونا برآمد ہوتا ہے۔ جنوبی شوا میں بھی سونے کی کانیں ہیں ان کے سوا لوہے اور کوئلے کی بھی کانیں موجود ہیں۔ چٹانی نمک ٹگرے کے صوبے میں نکلتا ہے حال کی تحقیقات سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ ملک میں

بہم پہنچا رہے ہیں۔

اب یہہ مشورے ہو رہے ہیں کہ رفتہ رفتہ اطالیہ کے ہاتھ خام اشیاء کی فروخت بند کو دیجائے اور اس کے مصنوعات کا مقاطعہ کر دیا جائے۔ مشکل یہہ آن پڑی ہے کہ جرمنی، جاپان اور امریکہ لیگ کے ارکان نہیں ہیں اور انہیں تحدیدوں کے نفاذ کے لئے مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ اس مالی انتشار اور تجارتی رقابت کے زمانے میں وہ شاید ہی اطالیہ کو اپنا خریدار بنانے سے انکار کریں۔ جبکہ وہ نقد دام دینے کے لئے تیار ہو۔ علاوہ بریں جو لیگ کے کئی ارکان مثلاً آسٹریا، ہنگری وغیرہ اطالیہ کے مقاطعہ کے متعلق حیص بیص کر رہے ہیں اور فرانس بھی شاید ہی کسی سختی کا روادار ہو۔ جو سرمایہ دار جنگ عظیم کے موقع پر اپنے ملک کے دشمنوں کے ہاتھ ذاتی فائدہ کے لئے مال بیچنے نہ جھجکتے تھے۔ وہ بھلا لیگ کی اخلاقی پابندیوں کو کیوں ماننے لگے۔

اب اطالیہ میں تیل، کوئلہ اور لوہے کی درآمد بند کرنے کے مشورے ہو رہے ہیں۔ اس سے اطالیہ کو یقیناً نقصان پہونچیگا۔ بشرطیکہ ان دول کا تعاون حاصل ہو سکے۔ جو لیگ کے ممبر ہیں۔ تاہم جب تک اسکی ضمانت نہ ہو کہ مالی تحدید کے نفاذ میں سختی سے عمل کیا جائیگا۔ اور خود غرض سیٹھوں کی سرکوبی کا معقول انتظام ہوسکیگا تب تک یہہ تجویزیں بے معنی ہیں۔

لیگ کو کیا کرنا چاہئے تھا۔ اطالیہ نے تو اپنے ارادوں کی تشریح اسی دن کر دی تھی جب اس نے حبش کو ہر طرف سے گھیر لیا اور بحر قلزم کو اپنے جنگی جہازوں سے پاٹ دیا۔ اسپر ریاکاری کا الزام کسی طرح نہیں لگایا جا سکتا۔

لیگ کوئی غیر مادی ادارہ نہیں ہے۔ اس کے فیصلے ان ریاستوں کی مصلحتوں

سے مطابقت رکھتے ہیں جنکے دم سے وہ قایم ہے۔ ان ریاستوں کے اغراض کی ایک جہلک ہم دیکھہ چکے۔ لہذا یہ شکایت ہی فضول ہے کہ اس نے ایمانداری سے کام لے کر سرے سے ۱۹۰۶ء کے صلحنامہ کو ہی کیون نہ چاک کردیا جو ایک تو میثاق کی رو سے ناجائز اور دوسرے حبش کے لئے ہی ناقابل قبول تہا۔ ہم نے دیکہا کہ اسکا مطالبہ صرف اسقدر ہے کہ اپنے اغراض کے حصول کے

لئے اطالیہ زبردستی نہیں بلکہ مفاہمت سے کام لے۔ اور اسی معاہدہ کی بناپر اپنے دونوں شریکوں کے ساتہہ اس بدنصیب ملک کی تقسیم مینڈیٹ کے نام پر کرلے اگر مدعا یہی تہا تو اطالیہ کو خونریزی سے باز رکہنے کے لئے فوری ترکیبیں عمل مین لانا چاہئے تہیں۔ مالی مزاحمتون کا اثر ایک تو غیر یقینی ہے اور دوسرے دیرطلب اطالیہ کو فوراً راہ راست پر لانے کی ایک ہی صورت ہوسکتی ہتی کہ ایک طرف تو بحری راہ بندی کرکے اسکی تجارتی اور فوجی نقل وحرکت کو کمزور کردیا جاتا اور دوسری طرف سویزنہر میں اس کے جہازون کا داخلہ روک دیا جاتا۔ ظاہر ہیکہ اس کے بعد اطالیہ فوجی اقدام کی جرأت نہ کرتا اور یہہ قصہ ختم ہوجاتا۔ مگر مشکل یہہ آن پڑی کہ فوجی تحدید کے نفاذ میں فرانس نے برطانیہ کا ساتہہ دینے سے انکار کردیا۔ وجہ یہہ ہتی کہ اطالیہ کو اپنا دشمن بنانے کے یہہ معنی تہے کہ اُسے جرمنی کا دوست بنا دیا جائے۔ اور یہہ صرف برطانوی دوستی کی خاطر حبش پر کلیتہً اعتماد نہیں کیا جاسکتا تہا۔ یہی وجہ ہے کہ اس معاملہ مین برطانیہ اکیلا پڑ گیا اور اطالیہ کے خلاف بجز نیم اثرپذیر مالی پابندیوں کے اور کچھہ نہ کرسکا۔

لیگ کیا کریگی۔ برطانیہ اور فرانس کی متحدہ قوتون کا نام لیگ آف نیشین ہے اسلئے جب ہم پوچہتے ہین کہ لیگ کیا کریگی تو مطلب یہہ ہے کہ یہہ دونون ممالک

کیا کرینگے۔

فرانس اور جرمنی کی تناتنی میں اسوقت برطانیہ اپنے رویہ کی وضاحت نہیں کر سکتا اور جب تک یہہ مسئلہ طے نہ ہو جائے فرانس اطالیہ سے بگاڑ کے لئے تیار نہیں ہو سکتا۔ لیکن فرانس اپنے اغراض سے بے پروا نہیں ہے۔ اور نہ شمالی افریقہ اور بحر روم میں اطالیہ کی رقابت کو پسند کر سکتا ہے۔ وہ یہی چاہیگا کہ برطانیہ اور اطالیہ کی رقابت قایم رہے۔ اور خود وہ ہمیشہ ثالث بنکر اپنی دوستی کی قیمت کو بڑہاتا رہے۔

آئے دن ہم یہہ خبریں پڑہتے ہیں کہ جنیوا میں تو دونوں ملکوں کے نمایندے تحدیدوں کو با اثر بنانے کے منصوبے کر رہے ہیں اور دوسری طرف انکے سفیر اور مسولینی سے گفت و شنید ہو رہی ہے۔ مقصد یہہ ہے کہ اطالیہ کو اقتصادی مشکلات میں مبتلا کرکے سمجھوتے کے لئے مجبور کر دیا جائے اور حبش کو اتنا پٹنے دیا جائے کہ وہ سر نہ اٹھا سکے۔ اور اس کے بعد اپنی مجوزہ اسکیم پر عمل در آمد کے لئے دونوں کو تیار کر لیا جائے۔ اس اسکیم کا خاکہ وقتاً فوقتاً شایع ہوتا رہتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ فرانس اسکی تائید میں بہت سرگرم ہے۔ اغلب یہہ ہے کہ اطالیہ کو وہ سب کچھہ مل جائیگا جس کا وہ شروع میں آرزو مند تھا۔ مغربی حبش پر لیگ برطانیہ کو منڈیٹ دے دیگی اور وہ علاقہ فرانس کو مل جائیگا جسمیں جبوتی ریلوے ہے۔ غیر اطالوی صوبوں کو تو ان تینوں کے قبضے میں دیدیا جائے گا۔ بقیہ مختصر سا علاقہ یہاں سلاسی کے قبضہ میں برائے نام رہیگا اسے بین الاقوامی انتظام کو قبول کرنا ہوگا یعنی اطالوی مشیروں اور یورپین پولیس اور فوج کی مدد سے ملک کو مہذب بنانا ہوگا۔

اس زمانہ میں اخلاقیات کا باب کتاب زندگی سے خارج کردیا گیا ہے۔ اگر حبش یہہ کہے کہ وہ لیگ کا رکن ہے اور وہ اسکی سیاسی آزادی کی ضامن ہے تو جواب ملیگا کہ غیر ملکی انتظام اور اقتصادی غلامی کے ساتھ تم آزاد رہ سکوگے۔ کیونکہ سکہ تمہارا ہوگا اور کاغذات پر مہر بھی تمہاری ہی لگیگی۔ یہہ طے ہوچکا کہ حبش کا نقشہ نئے رنگ سے رنگا جائے صرف وقت کا انتظار ہے

۱۱ر نومبر ۱۹۳۵ء

وسط دسمبر میں برطانیہ اور فرانس کی جو مشترک تجویز شایع ہوئی ہے اس سے بڑی حد تک ہمارے قیاس کی تائید ہوتی ہے۔ فرانس اور برطانیہ کا نام اس اسکیم میں نہ دیکھ کر یہی کہنا پڑتا ہے۔ چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد!

باب آٹھواں

مستقبل

جو آدمی حقیقت کی تلخی سے نہیں گھبراتا وہ تسلیم کریگا کہ آج اخلاق کی دوہائی صرف وہ دیتا ہے جو اپنے کو اخلاق کی پابندیوں سے بالا و برتر سمجھتا ہے۔ جس نظام زندگی کا یہ آئین ہو کہ بڑی مچھلی چھوٹی مچھلی کو کھانے کا پورا استحقاق رکھتی ہے، جس کی تہذیب کی رگیں انسانیت کے خون سے سیراب ہوتی ہیں، وہاں حق و ناحق کی گفتگو بالکل بے معنی اور فضول ہے۔ جب تک سماج اسکی اجازت دیتا رہیگا کہ ایک آدمی اپنے نفع کے لیے، دوسروں کا خون پیتا رہے اور جب تک مذہب، قومیت یا تہذیب کے نام پر سرمایہ داری کو فروغ ملتا رہیگا تب تک ہر جابر اور ظالم اطالیہ کی پیروی میں بچوں، عورتوں اور بوڑھوں کو اپنی ناپاک ہوس رانی کا شکار بنایا کرے گا۔ ظلم تب تک ہوگا جب تک مظلوم اسکی اجازت دیگا۔

جو لوگ امنِ عالم کے نام لیوا اور مجلس اقوام کے بانی دیوا بنے ہوئے تھے، جو حبش کی آزادی کے علم بردار بن کر نکلے تھے اور اطالیہ کے خلاف مورچہ قایم کرنے کے لیے ساری دنیا کو للکار رہے تھے

ان کے چہروں سے نقاب اتر رہی ہے اور اب معلوم ہو رہا ہے کہ ان کی طینت کتنی نفرت انگریز ہے۔ لیگ کا قیام اس غرض سے ہوا تھا کہ جنگ کا امکان نہ رہے اور اس کا سنگ بنیاد اس اُصول پر رکھا گیا تھا کہ ہر رکن کی آزادی اور سالمیت کی ضمانت باقی تمام ارکان دیں۔ لیگ نے اطالیہ کے خلاف صرف اس وجہ سے اقدام کیا کہ وہ میثاق کی خلاف ورزی کر کے ابی سینیا کو پورا یا ادھورا ہڑپ جانا چاہتا ہے اور اس کی آزادی کو سلب کرنے کے درپے ہے۔ برطانیہ اور اس کے دوستوں نے میثاق کی حفاظت کا وہ غلغلہ برپا کیا کہ بڑے بڑے ہوشیار اس فریب میں مبتلا ہو گئے کہ اُن کا مقصد جو بھی ہو اس بہانے ابی سینیا کی جان تو بچ رہی ہے۔

اور اب ہم کیا دیکھتے ہیں؟ لیگ کے میثاق کو ٹھکرا کر صلح ناموں کو طاق نسیاں پر رکھکر مظلوموں کے یہ حامی اور امن کے یہ پجاری اب نہایت سادہ لوحی سے فیصلہ کرتے ہیں کہ اطالیہ کو غیر اُمہاری صوبہ جات دے دیئے جائیں اور اس طرح اسے اریتریا اور اطالوی صومالی لینڈ کو ملحق کرنے اور انہیں ریل سے جوڑنے کا موقع دیا جائے۔ اُمہاری علاقہ کے انتظام کے لئے شہنشاہ حبش لیگ سے مدد کی درخواست کرے اور وہ جن مشیروں کو مقرر کرے ان میں اور کوئی ہو یا نہ ہو اطالین مشیر ضرور ہوں۔ آخر کس گناہ کی پاداش میں حبش کو یہ سزا دی جا رہی ہے؟

کیا لیگ کے کسی دوسرے رکن نے امن پسندی کا ایسا قابلِ تقلید نمونہ پیش کیا ہے؟ کیا اس نے کبھی وعدہ خلافی کی اور صلح و راستی کی راہ سے منہ موڑا؟ کیا کبھی اس نے اپنے پڑوسی ممالک سے چھیڑ چھاڑ کی اور کبھی انھیں شکایت کا موقعہ دیا؟ پھر وہ کیوں اس اطالیہ کو اپنی قسمت کا مالک بنائے جس نے بلاوجہ سینہ زوری اور دریدہ دہنی کی انتہا کر کے اس پر حملہ کیا اسکے اسپتالوں پر بم برسائے اور ساری دنیا کی آنکھوں دیکھتے اسکے بے یار و مددگار بچوں اور عورتوں کو توپوں کے منہ میں جھونک دیا!

ابھی اس تجویز کی روشنائی خشک نہیں ہوئی ہے جس کے مطابق لیگ نے اطالیہ کو بیک آواز مورد الزام اور قابل ملامت گردانا تھا۔ وہی زمین ہے اور وہی آسمان۔ البتہ اطالیہ کے دامن پر گناہوں کے دھبے زیادہ گہرے ہوتے جاتے ہیں۔ مگر پردہ پردہ میں راز و نیاز کی باتیں ہوتی رہیں اور ایک روز ہم نے سنا کہ پیرس میں برطانیہ اور فرانس کے وزرائے خارجہ نے ایک تجویز مرتب کی ہے جس کے یہ معنی ہیں کہ مجرم تو اطالیہ ہے مگر سزا حبش کو دی جائے گی۔

یہ امر صرف چند احمقوں کے لیے باعثِ حیرت ہو سکتا ہے تعجب اس وقت ہوتا جب فرانس اور برطانیہ یہ رویہ اختیار نہ کرتے۔ اگر اطالیہ تانا جھیل پر قبضہ کر لیتا تو نہ یہ کہ نیل ازرق کی کلید پر قبضہ کر کے مصر اور سوڈان کے کان اینٹھ سکتا بلکہ

جنوبی افریقہ اور قاہرہ کے درمیان مجوزہ ہوائی راستہ اور ریلوے لائن کو خطرہ میں ڈال دیتا۔ فرانس کو یہ ڈر تھا کہ اگر لیگ نے اطالیہ پر زیادہ دباؤ ڈالا تو وہ آسٹریا کو جرمنی کے حوالہ نہ کر دے۔ حکومت برطانیہ کا وہ جوش وخروش انتخاب عامہ کو سر کرنے کے لئے تھا ورنہ دراصل وہ کوئی معنی نہ رکھتا تھا۔

تحویدوں اور حبشیوں کے مقابلہ میں اطالیہ کے حوصلے پست ہونے لگے تھے اگر تیل پر تحدید لگا دی جاتی تو اسکی پسپائی یقینی تھی۔ اطالیہ کو تیل فروخت کرنیوالے ملک چار ہیں۔ روس رومانیہ امریکہ اور برطانیہ۔ روس اور رومانیہ تیل پر تحدید لگانے کے لئے رضامند تھے۔ اگر برطانیہ ساتھ دیتا تو امریکہ بھی لیگ کی درخواست کو قبول کر لیتا۔ لیکن یک بیک ہم کیا دیکھتے ہیں کہ لیگ کا جو اجلاس اس مسئلہ پر بحث کرنے کی غرض سے منعقد ہونے والا تھا وہ اپنی شکل بدل کر اس مسئلہ پر غور کرنے لگتا ہے کہ حبش کی لاش کو ان گدھوں میں کس طرح بانٹا جائے جو سالہا سال سے اس دن کا انتظار کر رہے تھے۔

کیا حبش سے تنہا اطالیہ کے ہی اغراض وابستہ ہیں؟ کیا اسکا اور لیگ کا یہ دعویٰ صحیح ہے کہ اطالیہ کو پھیلاؤ کے لئے حبش ہی میں جگہ مل سکتی ہے؟ اسکے افریقی مقبوضات کا مجموعی رقبہ ۸۷۵۴۸۵ مربع میل اور آبادی صرف ۲۳۶۹۲۵۴ ہے۔ یعنی ایک مربع میل میں صرف ۳ آدمی آباد ہیں اگر انکی آبادی بڑھا کر ۵۰ آدمی فی مربع میل کر دیجائے تو اطالیہ میں ایک آدمی بھی نہ رہیگا۔ طرفہ یہ کہ ان نو آبادیوں کو ابھی اچھی طرح لوٹا نہیں گیا ہے

ان میں سونے کی کانیں اور تیل کے کنوئیں موجود ہیں۔ ہر قسم کی زراعت اور باغبانی کے امکانات ہیں اور روئی بھی پیدا کی جا سکتی ہے۔ یہ سب ہوتے ہوئے بھی اگر اطالیہ کو پھیلاؤ کی ضرورت رہ جاتی ہے تو برطانیہ اور فرانس اپنی نوآبادیوں میں اسکے لئے دافرجگہ نکال سکتے ہیں کیونکہ جرمنی کا مالِ غنیمت انہیں کی ولایت میں شامل ہے

معاملہ یہ ہے کہ حبش پر ان تینوں استعماری ممالک کی آنکھ عرصہ دراز سے ہے۔ جوش رقابت ان میں سمجھوتا نہ ہونے دیتا تھا۔ اب اطالیہ کی پیش قدمی نے ایک بہانا پیدا کر دیا کہ حبش کو ڈرا کر اور اطالیہ پر دباؤ ڈال کر حسب خواہ سمجھوتہ کر لیں۔

حبش کی ہمدردی میں ساری دنیا کا دل خون ہے اور اسکی حمیت اور غیرت کے سامنے ہر غیر تمند کا دل فرطِ احترام سے جھک جائیگا۔ تاریخ ابدالآباد تک اس عبرتناک واقعہ کو یاد رکھیگی کہ جب تہذیب کے ٹھیکہ دار ایسی بے انصافی اور ستم پروری کا ثبوت دے رہے تھے جسکی مثال کہیں نہ ملیگی جب صداقت کی زبان گنگ تھی اور حریت کا پاؤں لنگ ہو چکا تھا تو نیم وحشی قبیلوں کا ایک دیس سائنس اور کلچر کی تمام برکتوں سے لڑنے کے لئے کھڑا ہو گیا اور اپنی بقا کے لئے آخر دم تک لڑتا رہا۔ تمدّن اور روحانیت کے وہ دعویدار خاموش تھے جنکی زندگی اور جنکی آزادی بازاری بیسوا کی عصمت کی طرح بہت سستی تھی۔ مگر جوبھو کے ننگے حبشیوں کی طرف نفرت کی انگلی اٹھا کر آسمان کی طرف تاکنے لگتے تھے۔

یہ ہوتا آیا ہے اور ہوگا اس وقت تک جب تک ہم اس نظام کو مٹا دیں

جس کی دیواریں افلاس جہالت اور وحشت سے بنی ہیں، جس کی چھت جبر و ظلم کے ستونوں پر کھڑی ہوئی ہے، جس کے فرش پر استحصال کی کیلیں گڑی ہوئی ہیں۔

حبش کا حشر ہر کمزور کی موت کی آواز ہے۔ وہ اشتراکیت کی عالمگیر کمزوری، فاشیزم کے فروغ، سرمایہ داری کی درازئ عمر اور جنگ کی بقا کا پیغام ہے۔ کوئی یہ نہ سمجھے کہ حبش کی ہزیمت کے بعد یہ معاملہ رفع دفع ہوجائیگا۔ اسکی صدائے بازگشت دوررس ہے۔ ہر مزدور ہر مشرقی اور ہر مسلمان کے لئے اس سانحہ میں ایک جہان عبرت پوشیدہ ہے۔ بین القومیت کے مقابلہ میں قومیت، امن کے مقابلہ میں جنگ، اشتراکیت کے مقابلہ میں فاشیزم اور جمہوریت کے مقابلہ میں ڈکٹیٹرشپ کے اصولوں کو فروغ ہوگا۔ اسی اعتبار سے آزاد خیالی حریت پروری اور امن پسندی کی تمام تحریکیں کمزور ہوجائیں گی۔

اسلامی ممالک ایک نئی مصیبت میں گرفتار ہوجائینگے۔ مشرقی بحر روم کا اطالوی اقتدار اور جزیرہ روڈس کی اطالوی مورچہ بندی تمام ٹرکی کیلئے نیا خطرہ پیدا کردیگی۔ عرب اور مصر کی تحریک آزادی کو سخت صدمہ پہنچیگا اور اطالوی ہوّے کا ڈر دکھلا کر برطانوی اور فرانسیسی استعمار اپنے شکنجہ کو زیادہ مضبوط کرلیگا۔ چھوٹے چھوٹے نیم آزاد اسلامی ممالک اطالیہ کے دست برد سے بچنے کیلئے برطانیہ کا آسرا ڈھونڈینگے اور انکی نجات کی کوئی فوری صورت باقی نہ رہیگی۔ ان سامراجیوں کی باہمی رقابت دنیائے اسلام میں سازشوں اور خانہ

ہیرے اور زمرد کی بھی کانیں ہیں۔

مغربی حبش میں تیل کے کنویں بکثرت موجود ہیں۔ اخباروں نے یہ اطلاع دی ہے کہ اطالوی فوجوں نے تیجر کے صوبہ پر قبضہ کرتے ہی سونے کی تلاش شروع کر دی ہے۔ یہ امر بھی قابل غور ہے کہ افریقہ کا یہ حِصّہ روئی کی کاشت کے لیے خاص طور پر موزوں معلوم ہوتا ہے، کیونکہ سوڈان اور اب کنایا میں بھی بہت بڑے پیمانہ پر روئی کی کاشت ہوتی ہے اسی وجہ سے جاپان نے حکومتِ حبش سے ۰ الاکھ ایکڑ زمین روئی کی کاشت کی غرض سے حاصل کی تھی۔ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اطالیہ ان تمام اشیا کے لیے دوسرے ملکوں کا دست نگر ہے۔

صوبے اور شہر۔

حبش کی سیاسی تقسیم صوبوں، حکومتوں اور خود مختار علاقوں کے لحاظ سے کی جا سکتی ہے۔ خاص صوبہ ٹگرے ہے جو ملک کے شمال مشرقی حصے پر مشتمل ہے۔ امھرا یا گونڈر وسط میں ہے گوجم کا ضلع دریائے اباے کے نیم گروی خم سے محصور ہے۔ شوا دریائے اباے کے مشرق اور امھرا کے جنوب میں واقع ہے۔ ان قدیم صوبوں کے سوا ملک میں والیگا کا علاقہ ہے جو گوجم کے جنوب مغرب میں ہے۔ ہرر مشرق میں ہے۔ کفا اور گلا لینڈ شوا کے جنوب مغرب اور جنوب میں ہیں اس

جنگیوں کا جال بچھادے گی اور ان کے سدّ باب کے لیے ویسے ہی ظالمانہ طریقے استعمال کئے جائیں گے جنکا نظّارہ ٹریپولی میریا وغیرہ میں آئے دن ہم دیکھا کرتے ہیں۔ حبش پر اطالیہ کے حملہ نے نڑکی مصر اور یمن وغیرہ کو بری طرح سراسیمہ کر دیا ہے

نتیجہ جو کچھ بھی ہو حبش تو ہے کا وہ سخت چنا ہے جسے لیگ کی ریشہ دوانیاں یا اطالیہ کی ستم رانیاں آسانی سے نہ چبا سکیں گی۔ کیا عجب کہ اس چٹان سے ٹکرا کر لیگ کی ڈوبتی ہوئی کشتی غرقاب ہو جائے۔

آیندہ جب کبھی کوئی کمزور کسی زور آور کے مقابلہ میں کھڑا ہوگا یا کوئی نہتا ملک اپنی آزادی کے لئے لڑیگا تو حبش کی جانبازی اس کے لئے چراغ راہ ثابت ہوگی

ضمیمہ
جنگ

جنگ حبش کے تین پہلو ہیں — بین الاقوامی، قومی اور استعماری — مجلس اقوام اور دنیا والوں کے لئے حبش کی جنگ بین الاقوامی اہمیت رکھتی ہے۔ اس جنگ میں حبش کی قومی آزادی اور سیاسی اقتدار معرض خطرے میں ہیں اور حبش پوری کوشش کر رہا ہے کہ وہ انکی حفاظت کرے۔ اطالیہ اور بعض دوسری مغربی حکومتوں کے لئے یہ جنگ استعماری اہمیت رکھتی ہے۔ اس باب میں ہم حادثہ وال وال کے بعد کے واقعات کو انہیں تین حصوں میں تقسیم کر کے پیش کریں گے۔

۵ دسمبر ۱۹۳۴ء — ۵ دسمبر کو حادثہ وال وال پیش آیا لیکن مسافت کی دوری اور راستوں کی دشواری کے باعث اس کی خبر ۹ دسمبر سے قبل عدیس ابابا نہ پہونچ سکی۔ وزیر خارجہ نے شہنشاہ کو حالات سے آگاہ کیا۔ لیکن ابھی شہنشاہ اپنے مشیران کار سے مشورہ بھی نہ کر پایا تھا کہ اطالوی وزیر متعینہ عدیس ابابا نے ایک احتجاجی یادداشت حبشی وزارت خارجہ کو روانہ کر دی جس میں لکھا تھا کہ "مسلح حبشیوں نے بلا کسی اطلاع کے حملہ کر دیا ہے۔ لیکن اب تک ہمارے ہلاک شدگان اور مجروحین کی تعداد

کا تعین نہین ہوا ہے۔ واقعات کی ان متضاد ترجمانیون کی صورت مین شہنشاہ حبش نے یہہ تجویز پیش کی کہ دونون حکومتین مفاہمت اور مصالحت کے اس معاہدہ کی دفعہ ۵ کے ماتحت جو ۱۹۲۸ء مین ہوا تہا ثالث مقرر کر کے آخری فیصلہ کو ان پر چھوڑ دین۔

۱۱ دسمبر کو حکومت اطالیہ کا پیغام پہونچا کہ جنرل سیمار دنا کا عمل بالکل حق بجانب تہا کیونکہ وال وال[1] اور واردیر کے مقامات اطالوی صومالی لینڈ مین شامل ہین چنانچہ ایسی کہلی حبشی جارحانہ حرکت مین ۱۹۲۸ء کے معاہدہ کی شرائط پر عمل نہین کیا جا سکتا ساتھ ہی حبش سے یہہ مطالبہ کیا گیا کہ ہرر کا گورنر اعتراف قصور کر کے معذرت خواہ ہو۔ وال وال کے مقام پر اطالوی پرچم کشائی کے موقع پر حبشی سپاہ اظہار احترام کرے۔ وہ تمام افراد جو اس "حملہ" مین شریک تہے گرفتار کر لئے جائین اور انہین انکی

[1] یہان اختصار کیساتھ اطالیہ کے اس دعویٰ کی تردید کی جاتی ہے کہ وال وال اطالوی مقبوضہ ہے۔ حبش اور اطالوی صومالی لینڈ ہم سرحد ہین۔ جبوقت ۱۸۹۷ء مین حبش اور اطالیہ کے درمیان مصالحت ہوا تو نیلیک اعظم اور ایک اطالوی جنرل نے سرحدی خط کے مسئلہ کو بھی طے کر لیا اور اس فیصلہ کو ۴ دسمبر ۱۸۹۷ء مین حکومت اطالیہ نے بذریعہ تار منظور کر لیا۔ اسی معاہدہ کی رو سے سرحدی خط شمال اور جنوب کی سمت بحیرہ ہند کے ساحل کے متوازی (۱۸۰) میل ساحل سے دور کہینچا گیا تہا۔

۱۹۰۸ء مین اطالیہ اور حبش کے درمیان دوسرا معاہدہ ہوا اس سرحد کے متعلق یہہ لکہا تہا کہ "دبی شبیلی سے سرحد شمال مشرق کی جانب بڑہتا ہے یہہ اس خط کی مطابقت مین ہے جسے ۱۸۹۷ء مین حکومت اطالیہ نے منظور کر لیا تہا۔ تمام اوگادین کا علاقہ اور تمام ان قبیلون کا علاقہ جو اوگادین کیجانب ہین حبش کے ماتحت رہیگا۔" وال وال بحر ہند کے ساحل سے دو سو میل سے بہی زیادہ دور ہے یہہ اوگادین کے علاقہ مین بہی ہے چنانچہ معاہدہ جات متذکرہ بالا سے ثابت ہوتا ہے کہ وال وال حبشی مقبوضہ ہے۔

عہدون سے برطرف کردیا جائے۔ انہین معقول سزائین دی جائین اور حکومت حبش اس حادثہ کے تاوان مین اطالیہ کو آٹھ لاکھ روپیہ ادا کرے۔

جب باہمی مفاہمت کے امکانات ختم ہوگئے تو حبش نے ۱۴ دسمبر ۱۹۳۴ء کو مجلس اقوام کو بذریعہ تار آگاہ کیا کہ "اطالوی زبردستیون کی موجودگی مین حکومت حبش مجلس اقوام کی توجہ حالات کی نزاکت کی جانب مبذول کرتی ہے"

اس درمیان مین حبشہ نے متعدد بار کوشش کی کہ آپس مین سمجھوتہ ہو جائے لیکن اطالیہ کسی سمجھوتہ پر تیار نہ ہوا، اور مجبور ہو کر حکومت حبش نے ۳ جنوری ۱۹۳۵ء کو میثاق مجلس اقوام کے دفعہ ۱۱ کی رو سے مجلس اقوام سے باقاعدہ طور پر درخواست کی۔

۷ جنوری ۱۹۳۵ء

۷ جنوری کو فرانس کا وزیر اعظم موسیو لاوال روم میں مسولینی سے ملا عام طور پر تو دنیا والون کو اسوقت یہی بتایا گیا کہ یہ ملاقات شمالی افریقہ میں بعض باہمی غلط فہمیون کو دور کرنے اور معاملات کو سلجھانے کے لئے کی گئی تہی۔ لیکن چند ماہ بعد اس خفیہ ملاقات کے وعدہ وپیمان عرصہ شہود پر آنے لگے چنانچہ اخبار ڈیلی میل کے نمایندہ کے اس سوال پر کہ کیا یہ سچ ہے کہ آپ نے ٹیونس اور دیگر علاقہ جات مین تفرقات کو فرانس کیا تھا اس شرط کے ساتھ طے کر لیا ہے کہ حکومت فرانس مشرقی افریقہ مین اطالوی دست بردمین مداخلت نہ کرے گی۔ مسولینی نے تحریری جواب دیا کہ

"یہہ سچ ہے کہ ۷ جنوری کے معاہدہ کی رو سے ہمارے اور فرانس کے درمیان جو تفرقات تہے ختم ہو گئے ہین۔ حبش کو آباد کرنے اور مہذب بنانیکا کام اطالیہ کو کم سے کم پچاس برس تک مصروف رکہیگا (مانچسٹر گارڈین ۳ اگست)

اس سے اطالیہ کے استعماری ارادوں اور فرانس کی مجلس اقوام کی وفاداری اور دیانتداری کا پردہ چاک ہو جاتا ہے۔

بسا اوقات یہ خیال ہوتا ہے کہ دسمبر میں حادثہ لاوال ہوا اور جنوری میں مجلس اقوام سے درخواست کی گئی۔ اور کہیں گیارہ ماہ بعد مجلس اقوام کچھ فیصلہ کر سکی اسکی کیا وجہ ہے۔ یہ ہر شخص جانتا ہے کہ مجلس اقوام کے فیصلہ سے مراد یورپ کی دول عظمیٰ اور دراصل برطانیہ اور فرانس کا فیصلہ ہے فرانس نے ۷ جنوری کے معاہدہ میں اپنے کو پابند کر لیا۔ برطانیہ اسٹریسا کانفرنس کی تیاری میں مصروف تھا۔ اور اطالیہ سے بگاڑنا نہ چاہتا تھا۔ اسکی تفصیل اخبار اسٹیمین کے لندن کے عسکری نامہ نگار کے قلم سے زیادہ بہتر معلوم ہوتی ہے۔ اس نے اپنے ۲۹ اکتوبر کے خط میں لکھا ہے۔

"جنوری میں مسولینی نے ہماری حکومت کو اپنے مشرقی افریقہ کے مقاصد سے آگاہ کیا۔ اس نے تمام متعلقہ مفاد چاہنے والی حکومتوں سے مشورہ کی خواہش کی مشرقی افریقہ میں دو فوجی رسالے بھیجدئے۔ فروری میں ہم نے شکایت کی کہ اس قسم کی کارروائی ہمارے جواب کا انتظار کئے بغیر شروع کر دی گئی۔ چونکہ اجتماع برابر جاری تھا ہم نے مارچ میں اور دوبارہ اپریل میں اسکی شکایت کی"

"اسٹریسا کانفرنس میں ہم نے اطالیہ کو مسئلہ حبش پر غور کرنے کی دعوت دی لیکن مسولینی اس کے لئے تیار نہ ہوا۔ مئی میں ہم نے مسولینی کو حبش پر حملہ نے خطرات اور مجلس اقوام کی کارروائی سے متنبہ کیا۔ لیکن اجتماع برابر جاری رہا۔

رہا اس سے یہہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ برطانیہ اور فرانس یعنی مجلس اقوام تفصیلی طور پر اطالیہ کے استعماری ارادوں سے آگاہ تھے اور وہ دیانت داری اور خلوص کی عدالت میں خود غرضی اور لاپرواہی اور غیر ذمہ داری کے مجرم ہیں۔

موسیولاوال ۴؍جنوری سے ۷؍جنوری تک روم میں مقیم رہے اور جس وقت وہ پلٹے تو جنیوا میں برطانیہ اور فرانس کی متفقہ کوشش نے حبش کو مجبور کیا کہ وہ اپنی درخواست واپس لے لے۔ ۱۹؍جنوری کو اعلان ہوا کہ اطالیہ اور حبش ۱۹۲۸ء کے صلحنامہ کی رو سے باہمی گفت و شنید کیلئے تیار ہیں۔ چنانچہ مجلس اقوام نے یہہ فیصلہ کیا کہ حبش کی درخواست کو لیگ کونسل کے مئی کے اجلاس تک ملتوی رکھا جائے۔

۱۷؍فروری۔ اس اعلان کو مشکل سے تین ہفتے گذرے ہوں گے کہ مسولینی کی رضامندی اور برطانیہ اور فرانس کی پُرخلوص سعی مفاہمت کا راز افشا ہونے لگا۔ ۱۱؍فروری کو تقریباً تیس ہزار اطالوی سپاہیوں کا اجتماع عمل میں آیا۔ اور ۱۷؍فروری ۱۹۳۵ء کو پہلی اطالوی فوج نہر سوئز کی راہ سے مشرقی افریقہ کو بھیج دی گئی۔ اس درمیان میں سمجھوتہ میں بھی رکاوٹیں پڑتی گئیں حبش نے صلحنامہ ۱۹۲۸ء کی دوسری دفعہ کے رو سے ایک مفاہمتی کمیشن مقرر ہونے کی تجویز پیش کی لیکن اطالیہ اسپر بھی تیار نہ ہوا۔ حبش نے دوبارہ ۱۷؍مارچ کو مجلس اقوام سے درخواست کی اور میثاق کی دفعہ ۱۰ اور ۱۵ کا حوالہ دیتے ہوئے مجلس اقوام کو آگاہ کیا کہ " اطالوی حکومت کے عسکری اجتماع اور مشرقی افریقہ کو سپاہی

اور سامان جنگ بھیجنے سے یہہ اندیشہ ہوتا ہے کہ اطالیہ اور حبش کی نزاع مبادا لڑائی کی شکل اختیار کرلے" لیکن مجلس اقوام یعنی فرانس اور برطانیہ اُن دنوں سٹریسا کانفرنس کی تیاریوں میں مشغول تھے۔ اور وہ حبش کی درخواست پر غور کرکے اطالیہ سے بگاڑ مول لینا نہ چاہتے تھے۔ بہرحال ۱۲/ اپریل کو اطالیہ اور حبش مفاہمتی کمیشن پر راضی ہوگئے۔ اور ۱۵/ اپریل کو یہہ اعلان ہوگیا کہ نزاع حبش کا مسئلہ مئی کے اجلاس مجلس اقوام سے قبل نہ پیش ہوگا۔

۱۷/ مئی۔ ۱۷/ مئی کو مفاہمتی کمیشن کے اراکین کا انتخاب ہوگیا۔ اطالیہ نے دو سرکاری ملازمین کو متعین کیا۔ لیکن حبش نے کہا کہ دیانت داری اور ایمانداری کا تقاضہ یہہ ہے کہ غیر جانبدار لوگ اس نزاع پر غور کریں چنانچہ اس نے ایک فرانسیسی پروفیسر قانون اور ایک امریکن پروفیسر سیاسیات کو ثالث مقرر کیا۔ ثالث مقرر کرنے کے ایک ہفتہ بعد مسولینی نے دنیا کو اس سعی لاحاصل سے آگاہ کردیا کہ " اطالیہ میں اور اطالیہ کے باہر لوگوں کو فریب میں نہ مبتلا رہنا چاہئے۔ ہم فیصلہ کرنے سے پہلے خوب غور کرلیتے ہیں۔ لیکن ایک بار فیصلہ کرنے کے بعد ہم قدم آگے بڑہا دیتے ہیں۔ اور پھر مڑکر نہیں دیکھتے۔ یہہ بہتر ہے کہ آدمی ایک روز شیر کی طرح زندہ رہے نہ کہ سو برس بھیڑوں کی طرح دن کاٹے"

۲۵/ مئی۔ ۲۵/ مئی کو جنیوا میں لاوال اور ایڈن کی کوششوں سے اطالیہ نے کچھ باتیں منظور کرلیں۔ یہہ طے پایا کہ اگر مفاہمتی کمیشن کے چاروں اراکین ۲۵/ جولائی تک کچھ طے نہ کرسکے یا پانچواں ثالث مقرر نہ کرسکے تو کونسل کا اجلاس دوبارہ ہوگا۔ اگر ۲۵/ اگست تک ثالث منتخب ہوگیا لیکن کوئی نتیجہ نہ برآمد ہوا تو کونسل کا اجلاس اسکے بعد ہوگا۔ ۲۵/ جون کو مفاہمتی کمیشن کا پہلا اجلاس منعقد ہوا۔

لیکن ۹/ جولائی کو اسکے مزید اجلاس غیر معین میعاد تک کے لیے ملتوی ہو گئے۔ اسکا سبب یہہ تہا کہ حبش کے اراکین اس بات پر مصر تہے کہ یہ فیصلہ بہی ہو جانا چاہیے کہ وال وال کا علاقہ کس کی ملکیت ہے اور اطالوی صومالی لینڈ اور حبش کا سرحدی خط کیا ہے۔ اطالوی اراکین اسپر تیار نہ تھے وہ کہتے تہے کہ صرف یہہ طے ہونا چاہیے کہ حادثۂ وال وال میں خاطی کون ہے۔ چنانچہ جسوقت پروفیسر جینزی نے حبش کی جانب سے بیان دیتے ہوئے یہہ ثابت کرنا چاہا کہ وال وال حبشی علاقہ ہے۔ تو اطالوی اراکین نے بیان کی سماعت سے انکار کیا۔ حبش نے پانچویں ثالث کی تجویز پیش کی لیکن اطالیہ نے منظور نہ کیا۔ اور اجلاس ملتوی ہو گیا۔ ۲۴/ جولائی کو ۲۵/ مئی کی تجویز کے لحاظ سے حبش نے مجلس اقوام کی کونسل کے انعقاد پر زور دیا۔

۳۱/ جولائی۔ ۳۱/ جولائی کو لیگ کونسل کا اجلاس ہو۔ یولٹوائنوف وزیر خارجہ پنچایتی روس منعقد ہوا۔ ایڈن اور لاوال نے چار ایسی شرائط مرتب کیں جنکے متعلق امکان تہا کہ وہ دونوں فریقین کو منظور ہونگی۔

۱۔ مفاہمتی کمیشن میں ایک غیر جانبدار پانچویں ثالث کی تقرری۔

۲۔ اسکی ناکامی پر کونسل سارے اطالوی حبشی قضیہ پر تفصیل سے مباحثہ کرے گی۔

۳۔ بشرط ممکن دونوں فریقین کو چاہیے کہ جنگ سے احتراز کریں۔

۴۔ سنہ ۱۹۰۶ء کے صلحنامہ کی رو سے سہ دولی کانفرنس اور اسمیں حبش کی شرکت۔

مسولینی نے ان شرائط کو رد کر دیا۔ انکی جگہہ لیگ کونسل نے یہہ تجاویز منظور کیں کہ مفاہمتی کمیشن پانچواں ثالث مقرر کرنے کے بعد صرف وال وال کا حادثہ

کی جانچ کریگی۔ اس درمیان میں فریقین جنگ سے باز آئینگے۔ ہر صورت میں لیگ کونسل کا اجلاس ۴ ستمبر کو نزاع حبش پر غور کرنے کے لئے منعقد ہوگا۔ اس کے علاوہ ایڈن نے اعلان کیا کہ ۱۹۰۶ء کے معاہدہ کی رو سے تینوں طاقتیں۔ برطانیہ فرانس اور اطالیہ مجلس اقوام سے علحدہ۔ ایک سہ دولتی کانفرنس میں شریک ہونگی۔ مانچسٹر گارڈین نے اپنے ۹ اگست کی اشاعت کے اداریہ میں لکھا کہ "۲۵ مئی کے اس سمجھوتہ کے متعلق جو جنیوا میں ہوا کہا جاتا ہے کہ وہ مجلس اقوام کی محدود فتح تھا۔ گذشتہ ہفتہ کے سمجھوتہ کو مسولینی کی کامیابی سے تعبیر کیا جاسکتا ہے"

مفاہمت اور مصالحت کے اس فریب سے قطع نظر، ۱۱ فروری اور ۱۶ جولائی کے درمیان نہر سوئز کے اعداد شمار سے پتہ چلتا ہے کہ تقریباً ۷۵ ہزار اطالوی سپاہ اور ۲۹ ہزار مزدور نہر سوئز کی راہ سے افریقہ کو روانہ ہوئے۔ ۹ اگست کی اشاعت میں مانچسٹر گارڈین خبر دیتا ہے کہ ۱۰۵۰۰ باقاعدہ سپاہی سات دستوں میں افریقہ کے لئے منتخب کر لئے گئے ہیں ان کے علاوہ ۹۰ ہزار فاشسٹی جوان بھی سات دستوں میں تیار کئے گئے ہیں ان کے علاوہ ۴۲ ہزار نوآبادیاتی فوج مسلح حکم کی منتظر ہے۔ یہ ۲۶۰۰۰ سپاہی فضائی قوت وغیرہ کے علاوہ ہیں۔

۱۶ اگست۔ ۱۶ اگست کو پیرس کانفرنس منعقد ہوئی جسمیں برطانیہ فرانس اور اطالیہ کے نمائندے شریک تھے۔ حبش کا وزیر بھی پیرس میں مقیم تھا تاکہ اسے صورت حال سے آگاہ کیا جائے۔ اس کانفرنس میں برطانیہ اور فرانس کا یہ مقصد تھا کہ مسولینی کے کم سے کم مطالبات اور

حبش کی زیادہ سے زیادہ مراعات کو ملادیں۔ چنانچہ فرانس اور برطانیہ کے نمایندون نے یہہ تجویز پیش کی کہ حبش کی ترقی اور انصرام حکومت مین برطانیہ اور فرانس اور اطالیہ متحدہ طور پر حبش کا ہاتھ بٹائیں یہہ امداد لیگ کونسل کی منظوری اور حبش کی رضامندی پر مبنی ہوگی۔ اس کے بعد ایک چہار دولی صلحنامہ (فرانس، برطانیہ اطالیہ اور حبش) ترتیب دیا جائے گا اور لیگ کونسل کے سامنے پیش ہوگا اور سنہ ۱۹۰۶ء کے صلحنامہ کو مسترد کردیگا۔ اس صلحنامہ کی رو سے حبش کے قدرتی ذرائع دولت کے معاشی استحصال حبشی کے مالیات کی ازسرنو تنظیم، اسکی بیرونی تجارت کے فروغ، سڑک اور ریلوے کی تعمیر، ڈاک، تار اور محکمہ صحت عامہ کی جدید طرز پر اصلاح، اور غلامی کے انسداد کی کارروائیان عمل مین آئنگی خاص علاقون مین غیر حبشیون کو بھی بسنے کی اجازت دیجائے گی۔ اطالیہ کے سرحدی علاقون کی حفاظت کے لئے مخصوص پولس رکھی جائے گی۔ علاقہ جاتی تبدیلیون پر بھی غور کیا جائے گا۔ حبش مین مخصوص اطالوی مفاد کو تسلیم کیا جائے گا۔ (مانچسٹر گارڈین۔ ۳۰ اگست سنہ ۱۹۳۵ء) مسولینی نے ان تجاویز کو منظور کرنے سے صاف انکار کردیا۔ جسوقت یہہ کانفرنس ہورہی تھی۔ مسولینی روم سے باہر صوبہ جات مین اطالوی فوجون کی عسکری مشق کا معائنہ کررہا تھا۔

۲۸ اگست کو مفاہمتی کمیشن نے موسیو پالیتیس کو پانچواں ثالث منتخب کیا۔ انکی صدارت مین مفاہمتی کمیشن نے ۴ ستمبر کو متفق الرائے ہوکر اپنی رپورٹ شایع کردی اس مین یہہ فیصلہ دیا گیا تھا کہ خاص حادثہ وال وال کی ذمہ داری نہ اطالوی حکومت پر عاید ہوتی ہے اور نہ حبش کے

کے سوا سمالی لینڈ کا وسطی حصہ بھی اس میں شامل ہے
حبش میں بڑے شہروں کا تقریباً فقدان ہے۔ قصبات
ہیں لیکن ان کی تعمیر میں بھی کوئی خوبی نظر نہیں آتی البتہ
یہ پہاڑیوں کی چوٹیوں یا بلند مقامات پر آباد ہیں۔ اہل
حبش بالطبع گرم آب و ہوا کو پسند نہیں کرتے ہیں اسی لیے
وہ نشیبی علاقوں میں نہیں رہتے ہیں۔ اس کے سوا چونکہ
ملک میں عام طور سے جنگ وجدال کی گرم بازاری رہتی
چلی آئی ہے اس لیے بھی وہ بخیالِ حفاظت پہاڑیوں پر
رہنے کے لیے مجبور تھے۔ ملک میں وسیع و عریض اور خوبصورت
شہر اس لیے نہیں بسائے جا سکے کہ خانہ جنگیوں نے اس
کی مہلت نہ دی۔

شہروں میں ہرر ایسا شہر ہے جس کی تعمیر عربی بنیادوں
پر ہوئی ہے ملک کا قدیم پایۂ تخت اکزوم تھا جو ٹگرے کے
علاقے میں ہے۔ اس کے اب کھنڈر باقی رہ گئے ہیں۔ قرونِ
وسطیٰ میں علاقۂ امہرا کا شہر گونڈر پایۂ تخت تھا جو انیسویں
صدی عیسوی تک صدر مقام رہا۔ ۱۸۹۲ء سے ادیس ابابا پایۂ
تخت ہے جو صوبۂ شوا میں واقع ہے۔

ادیس ابابا بھی خوبصورت شہر نہیں ہے۔ یہ این ٹوٹو
کے پہاڑوں میں سمندر کی سطح سے نو ہزار فٹ بلندی پر واقع
ہے۔ اس میں صرف چند خاص عمارتیں ہیں جن میں سینٹ
جارج کا بڑا گرجا اس لیے قابل ذکر ہے کہ اس میں شاہانِ

مقامی حکام پر۔

۴ ستمبر۔ ۴ ستمبر ۱۹۳۵ء کو لیگ کونسل کا اجلاس منعقد ہوا۔ کپتان ایڈن نے پیرس کانفرنس کی مفصل روئداد پیش کی۔ اس کے بعد اطالوی نمایندہ بیرن الوئیزی نے نزاع حبش کے مسئلہ پر اطالوی نقطہ نظر سے تبصرہ کیا۔ اور سارا الزام حبش کے سر تھوپ دیا۔ اور کہا کہ حبش غیر مہذب باشندوں کا ملک ہے اور اطالیہ اسے مہذب حکومتوں کے برابر نہیں سمجھتا اور اسے مجلس اقوام اور قانون کے حدود سے باہر تصور کرتا ہے چنانچہ جس وقت حبشی نمایندہ پروفیسر جیزی نے تقریر شروع کی تو بیرن الوئیزی نے فوراً ہال چھوڑ دیا۔ اور اس کے پیچھے اطالیہ کے دوسرے نمایندے بھی باہر نکل گئے۔ اس غیر مہذب حرکت سے سارے اراکین مجلس اقوام کو تکلیف ہوئی۔

۶ ستمبر۔ ۶ ستمبر کو لیگ کونسل نے متفقہ طور پر (اطالیہ نے رائے دینے سے انکار کیا تھا) یہ فیصلہ کیا کہ ایک پانچ اشخاص کی کمیٹی اس غرض سے مرتب کی جائے کہ وہ پورے اطالوی حبشی نزاع کے تمام پہلوؤں پر غور کرے اور پھر مصالحت کے ذرائع تجویز کرے۔ کمیٹی برطانیہ فرانس، ترکی اسپین اور پولینڈ کے نمایندوں پر مشتمل تھی اور پیرس کانفرنس کے تجوزات کو اس آیندہ غور و فکر کا سنگ بنیاد تصور کیا گیا۔

۹ ستمبر۔ ۹ ستمبر کو شہنشاہ نے اپنے نمایندوں کو مطلع کیا کہ وہ اس شرط پر مجلس اقوام کی تجویز پر غیر ملکی مشیران کا تعین کرنے پر راضی ہیں کہ شہنشاہ کا فیصلہ آخری ہو۔ وہ اوگادین کے بعض حصوں کو قیمتاً اطالیہ کے

حوالے کرنے کو تیار ہیں۔ اور اطالیہ کو اجازت ہے کہ ارٹیریا کی سرحد سے گوندر تک ایک ریلوے اور سڑک تعمیر کرے۔

۱۰ ستمبر۔ ۱۰ ستمبر کو مجلس اقوام کا عام اجلاس شروع ہوا۔ برطانوی وزیر خارجہ نے برطانیہ کی خارجی پالیسی کی تشریح کرتے ہوئے اعلان کیا کہ برطانیہ میثاق مجلس اقوام کے فرائض اور ذمہ داریوں پر کاربند ہے اور امن کی خواہاں ہے۔ فرانس، روس اور دیگر حکومتوں کے نمائندوں نے بھی تقریباً یہی رائے ظاہر کی۔ خیال تھا کہ شاید یہ متحدہ اعلان مسولینی کو مفاہمت اور مصالحت پر مائل کر دے۔ لیکن مسولینی کا نشہ ان ترشیوں سے اترنے والا نہ تھا۔

۱۴ ستمبر۔ ۱۴ ستمبر کو مسولینی اور اسکی کابینہ نے اعلان کر دیا کہ "وہ یہ اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ نہایت واضح طریقہ پر اس امر کی دوبارہ تصدیق کو دیں کہ اطالیہ کی عظیم کوششوں اور ایثار اور جنیوا میں اطالیہ کی ناقابل تردید یادداشت کے بعد اب اطالوی حبشی مسئلہ میں مفاہمت کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔"

۲۱ ستمبر۔ ۲۱ ستمبر کو لیگ کونسل کی پانچ اشخاص کی کمیٹی نے اطالیہ اور حبش کو اپنے مجوزات روانہ کر دیئے۔ حبش نے انہیں منظور کر لیا لیکن مسولینی نے انہیں اس بناء پر رد کر دیا کہ وہ اطالوی حقوق اور مطالبات کو پورا نہیں کرتے۔

۲۴ ستمبر۔ پانچ اشخاص کی کمیٹی نے لیگ کونسل کے سامنے اپنی تحقیقات مجوزات اور فریقین کے جوابات کی تفصیل پیش کی۔ اور اسے آگاہ کیا کہ مفاہمت

کے امکانات بہت کم ہیں۔ لیگ کونسل نے میثاق کے دفعہ (۱۵) کی رو سے تیرہ اشخاص کی ایک کمیٹی اس غرض سے مقرر کی کہ وہ پورے قضیہ پر غور کر کے اپنی رپورٹ پیش کرے۔

۲/ اکتوبر۔ اطالیہ میں عام عسکری اجتماع۔ دس لاکھ آدمی روم کے عسکری مناوروں میں شریک ہوتے ہیں۔

۳/ اکتوبر۔ اطالوی سپاہ نے مستحل کے قریب حبشی سرحد عبور کر کے حبشی سپاہیوں پر حملہ کر دیا۔ عدوہ اور عدیگرات کے شہروں پر اطالوی طیاروں نے بمباری کی۔

شمالی سرحد پر تین اطالوی فوجوں نے دریائے ماریب کو عبور کیا اور عدوہ و عدیگرات کا رخ کیا۔

تیرہ اشخاص کی کمیٹی نے جنیوا میں تنازع پر غور کر کے چھ اشخاص کی کمیٹی بنائی جس کے سپرد تحقیقات اور مشورہ دینے کا کام کر دیا گیا۔ اس کمیٹی نے یہ رائے ظاہر کی کہ میثاق کے دفعہ ۱۲ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اطالیہ نے جنگ چھیڑ دی۔

۴/ اکتوبر۔ عدیگرات اطالیوں نے تسخیر کر لیا۔

۵/ اکتوبر۔ عدوہ کا سقوط۔

۶/ اکتوبر۔ چھ اشخاص کی کمیٹی نے اپنا مشورہ لیگ کونسل میں پیش کر دیا۔

۷/ اکتوبر۔ لیگ کونسل نے اپنے اجلاس میں چھ اشخاص کی کمیٹی کی رپورٹ پر غور کیا اور اطالیہ کو خطا کار ٹھہرایا۔

اطالوی نمایندہ نے اس فیصلہ کو تسلیم کرنے سے انکار کیا۔ حبشی نمایندہ

نے اسے منظور کر لیا۔

اس فیصلہ کی رو سے میثاق کے دفعہ ۱۶ کی شرائط عاید ہوتی ہے۔ یعنی اطالیہ نے تمام اراکین مجلس اقوام کے خلاف جنگ شروع کر دی ہے"۔ اور اب مزاحمتی کارروائیوں پر غور کیا جا رہا ہے۔ یعنی دفعہ ۱۶ کا نفاذ عمل میں آئیگا۔

۱۰ اکتوبر۔ مجلس اقوام کا عام اجلاس بہ استثنا آسٹریا و ہنگری مجلس اقوام نے اتفاق رائے سے لیگ کونسل کی ریورٹ کو منظور کر لیا اور اطالیہ کو خطا کار ٹہرا کر اظہار ملامت کیا۔ اور مزاحمتوں کے نفاذ کو تسلیم کیا۔ مزاحمتوں کے نفاذ کی کارروائی پر غور کرنے کے لئے مشترکہ کمیٹیاں بنائی گئیں۔

۱۱ اکتوبر۔ مجلس اقوام اطالیہ کو اسلحہ جات کی درآمد کے خلاف امتناعی احکام صادر کرتی ہے۔ اور حبش کے خلاف اسلحہ جات کی درآمد پر امتناعی احکام مسترد کر دیتی ہے اور حبش کو اسلحہ جات بھیجنے کی عام اجازت دیدیتی ہے۔

۱۲ اکتوبر۔ اطالیہ کو مالی اور تجارتی قرض کے خلاف امتناعی احکامات صادر ہوتے ہیں۔

یہاں روس نے سب ملکوں سے مالی مزاحمت عاید کی۔

۱۴ اکتوبر۔ جنرل ڈی بونو سالار افواج اطالیہ عدوہ میں داخل ہوتا ہے۔

۱۷ اکتوبر۔ غدار راس گوگسا (شہنشاہ حبش کا داماد اور راس سیوم کا چچازاد بھائی جو اطالیوں سے مل گیا ہے) کو تگرے صوبے کا راس بنایا جاتا ہے

۱۹ اکتوبر۔ ۵۲ اشخاص کی مشترکہ کمیٹی نے اطالوی اشیاء برآمد کے مقاطعہ کا فیصلہ کر دیا۔

۲ نومبر۔ معاشی مزاحمت ۱۸ نومبر سے عاید ہو گی۔ کناڈا یہہ تجویز پیش کرتا ہے کہ تیل، کوئلہ، لوہا۔ اور کچے لوہے پر بھی مزاحمت عاید کر دیجائے۔

حبش مالی امداد کی درخواست کرتا ہے۔

مصر اعلان کرتا ہے کہ گو وہ مجلس اقوام کا رکن نہیں لیکن وہ تمام مزاحمتی فیصلوں پر عمل پیرا ہو گا۔

۳ نومبر۔ ایک لاکھ سپاہیوں کے ساتھ اطالوی مکال پر حملہ کرتے ہیں۔

۴ نومبر۔ معاشی کمیٹی کناڈا کی تجویز کو اصولی طور پر منظور کرتی ہے۔

شہنشاہ کی جان پر حملہ۔

۶ نومبر۔ ۱۸۔اشخاص کی کمیٹی ۱۸ نومبر سے معاشی مزاحمت عائد کرنے کی تصدیق کرتی ہے۔

معاشی مزاحمتیں ۱۸ نومبر سے قبل اور اس کے بعد عائد ہونا شروع ہو گیئں معاشیات کے عالم اسپر متفق الرائے نہیں کہ معاشی اور مالی مزاحمت اطالیہ کے جارحانہ اقدام میں سدراہ ہو سکتی ہے۔ بعض مفکرین کا خیال ہے کہ یہہ مزاحمتیں اطالیہ کے ملکی مسائل کو زیادہ دشوار کر دیں گی۔ اور وہ سمجھوتہ پر مجبور ہو جائے گا۔ لیکن مخالف علماء نے جن میں یقیناً بہ کثرت غیر سرکاری ماہرین معاشیات شامل ہیں ان معاشی مزاحمتوں کی پول کھولی ہے انکی دلیل یہہ ہے کہ یہہ مزاحمتی فیصلے غیر رکن ریاستوں کو پابند نہیں کرتے لہذا اطالیہ کے لئے راہ کھلی ہے کہ وہ ان ریاستوں سے اپنے تجارتی تعلقات زیادہ بڑہالے اس کے علاوہ یہہ بھی ممکن ہے کہ غیر رکن ریاستیں اُن ریاستوں سے

زیادہ اشیا منگانے لگیں جنہوں نے اطالیہ کے خلاف مزاحمتیں عائد کی ہیں اور اسطرح مزاحمت عائد کرنے والے ممالک سے اطالیہ اگر بلاواسطہ نہ سہی تو بالواسطہ سامان حاصل کر سکتا ہے۔ بہرحال اتنا اثر تو ضرور ہوا ہے کہ ریل گاڑیاں روک دیگئیں ہیں اور لوہے کی پٹریاں نکال کر اسلحہ جات کی تیاری کے کام میں لائی جا رہی ہیں۔ عورتوں نے اپنی انگوٹھیاں، کھلاڑیوں نے اپنے انعامی پیالے اور تمغے پادریوں نے اپنی کلیسائی زنجیریں۔ سیاست دانوں نے اپنے تفریح کے ساماں مسولینی نے اپنے مکان کے خوبصورت آہنی مجسمے حکومت کو پیش کر دئیے ہیں۔ لوہے کی کمی اور اشیاء کی روک تھام یقیناً کچھ نہ کچھ اثر ڈال رہی ہے۔

اس درمیان میں محاذ جنگ پر دونوں نمایاں واقعات پیش آئے ہیں اواخر نومبر میں حبشیوں نے انبل کے مقام پر ایک اطالوی فوج کو شکست فاش دی اور انکی کلدار بندوقیں اور ٹینکس چھین لیے۔ یہ جنوبی محاذ پر واقع ہوا۔ شمالی محاذ پر اطالوی سپاہ نے مکال پر قبضہ کر لیا اس شہر کو اہل حبشہ نے پہلے ہی خالی کر دیا تھا۔

دسمبر کے مہینہ میں جنگ سابق بدستور جاری ہے۔ جنرل دی بونو سابق سپہ سالار کو واپس بلا لیا گیا ہے اور انکی جگہ مارشل بادوگلیو کا تقرر عمل میں آیا ہے شہنشاہ حبش بھی رسم قدیم کی پیروی میں مع ملکہ شمالی محاذ جنگ کو چلے گئے ہیں اور دسّی کے مقام پر ٹھہرے ہوئے ہیں۔ مارشل بادوگلیو نے آتے ہی طیاروں کے ذریعہ تمام محاذ جنگ پر بمباری شروع کر دی ہے۔ تازہ اطلاعات ہیں کہ دسّی اور دغابور اور گوندر پر

اطالوی طیاروں نے شدید بمباری کی جسمیں امریکن شفاخانوں کو بہت نقصان پہونچا ہے۔ اور متعدد آدمی ہلاک اور مجروح ہوئے ہیں۔

اس درمیان میں برطانیہ اور فرانس کے وزراء خارجہ "سمجھوتہ" کی انتھک کوششوں میں لگے رہے۔ تازہ ترین اطلاعات ہیں کہ پیرس میں موسیو لاوال اور سرسیموئیل ہور نے یہہ تجویز منظور کی ہے تیگرے کا صوبہ اطالیہ کو دیدیا جائے اور دناکیل اور اوگادین کے صوبہ جات بھی اسقدر رقبہ میں اطالیہ کو ملجائیں کہ وہ وہاں پندرہ لاکھہ اطالیوں کو نوآباد کر سکے۔ شہنشاہ کے قبضہ میں ابھری صوبے باقی رہیں اور شہنشاہ مجلس اقوام سے درخواست کریں کہ انہیں مشیران کار دیے جائیں۔ ان مشیران کار میں اطالوی افراد بھی شامل ہونگے۔ فرانس میں یقین کیا جارہا ہے کہ مسولینی اس تجویز کو منظور کرلیگا۔ ابھی تک شہنشاہ حبش کی رائے کا علم نہیں یہہ ایک افسوسناک اور شرمناک تجویز ہے جو حبش کی آزادی اور اتحاد کا خون کردے گی۔ ناظرین کو یاد ہوگا کہ "اطالیہ اور حبش" والے باب میں ہم نے برطانیہ اور اطالیہ کے درمیان خفیہ معاہدۂ لندن سنہ ۱۹۱۵ء کا ذکر کیا تہا جس کی تجدید سنہ ۱۹۲۴ء میں ہوئی تہی۔ اور جس کے شرایط کے خلاف شہنشاہ حبش نے مجلس اقوام سے شکایت کی تہی۔

موجودہ تجویز اسی خفیہ صلحنامہ کی بازگشت ہے۔ اتنے توہین آمیز اور حق سوز سمجھوتہ کی کوشش مغربی استعماری جدوجہد کی تاریخ میں بڑے جلی حروف میں لکھی جائے گی۔

ابھی مجلس اقوام کا فیصلہ باقی ہے۔ صلحنامہ سنہ ۱۹۰۶ء اور سنہ ۱۹۲۸ء کے شرائط اس سمجھوتہ کے مخالف ہوں گے۔ میثاق مجلس اقوام کی اتنی کھلی خلاف ورزی

مشکل سے ممکن ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ میثاق کے حمایتی اور آزادی و امن کے دعویدار مجلس اقوام میں اس استعماری تجویز کے ساتھ کیا رویہ اختیار کرتے ہیں۔

ناظرین میثاق کے دفعہ دس کا بغور مطالعہ کریں۔

مجلس اقوام کی میثاق کی چند اہم دفعات

تمہید۔ معاہدہ میں شریک ہونے والی اقوام اس مقصد کو پیش نظر رکھ کر میثاق کو تسلیم کرتی ہیں کہ بین الاقوامی اتحاد بڑھے اور جنگ میں عدم شرکت کے فرائض کو تسلیم کر کے بین الاقوامی امن اور حفاظت حاصل ہو۔

دفعہ (۸)۔ اراکین مجلس اقوام تسلیم کرتے ہیں کہ قیام امن کے لیے ضروری ہے۔ کہ قومی اسلحہ جات جنگ قومی حفاظت کو ملحوظ رکھتے ہوئے گھٹائے جائیں اور بین الاقوامی فرائض پر متحدہ طور سے عمل کیا جائے۔

دفعہ ۱۰۔ اراکین مجلس وعدہ کرتے ہیں کہ وہ اراکین مجلس اقوام کی موجودہ سیاسی آزادی اور علاقہ جاتی اتحاد کا احترام کریں گے اور بیرونی دست برد سے اسے بچائیں گے (بچانے کی کوشش نہیں کریں گے بلکہ غیر مشروط طور پر وعدہ کیا گیا ہے کہ بچائینگے) اگر کوئی ایسا موقع پیش آئے یا کسی ایسے حادثہ کا خطرہ ہو تو کونسل مشورہ دیگی۔ کہ اس کے تدارک کے لیئے کیا ذرایع اختیار کئے جائیں کہ فرائض کی انجام دہی ہو سکے۔

دفعہ ۱۱۔ ہر جنگ یا جنگ کی دھمکی کی جانب اپنی توجہ دینا تمام اراکین کا فرض ہے۔

دفعہ ۱۶ اگر کوئی رکن مجلس اقوام میثاق کے دفعات بارہ ۔ تیرہ اور پندرہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے جنگ شروع کرے تو یہ فرض کر لیا جائے گا کہ اس نے تمام اراکین مجلس کے خلاف جنگ شروع کی ہے ۔ چنانچہ تمام اراکین فوراً ایسی حکومت سے معاشی مالی اور تجارتی تعلقات منقطع کر لیں گے ۔ لیگ کونسل کا یہ فرض ہو گا کہ وہ تمام اراکین مجلس کو اس قسم کے مشورے دے کہ وہ میثاق کی حفاظت کے سلسلہ میں فرداً فرداً کتنی بحری اور فوجی امداد کر سکتے ہیں ۔

فہرست مضامین

تمہید	از قاضی عبد الغفار صاحب مرادآبادی۔ مدیر پیام	ا تا د
حبش کے جغرافی حالات	” شیخ چاند صاحب ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل بی	۱
تاریخ حبش	” سبط حسن صاحب بی۔ اے	۲۰
حبش کی تہذیب و معاشرت	” منظفر حسین صاحب شمیم	۶۱
حبش کا دور حاضر	” اختر حسین رائے پوری	۸۴
حبش اور عرب	” ڈاکٹر حمید اللہ صاحب پی۔ ایچ۔ ڈی (جرمنی)	۱۰۰
حبش اور اطالیہ	” سبط حسن صاحب بی۔ اے	۱۲۴
لیگ، استعمار اور حبش	” اختر حسین رائے پوری	۱۴۵
مستقبل	” اختر حسین رائے پوری	۱۶۴
ضمیمہ	” واردات جنگ : مجلس اقوام کا میثاق	۱۷۱

تصاویر

شہنشاہِ حبش —— مسولینی   جنرل ورجین۔ وہیب پاشا

نقشہ

حبش کی تاجپوشی کی رسم ادا ہوتی ہے گیبی ایک محل ہے جو
حکومت کا مستقر ہے اس میں چند عمارتیں ہیں جو کسی طرح
خوبصورت نہیں کہلائی جا سکتی ہیں۔ حال میں چند سڑکیں
شہر میں تعمیر ہوئی ہیں جن پر برقی روشنی ہوتی ہے۔ شہر سے
کسی قدر فاصلہ پر دوسری حکومتوں کے سفیروں کے مکانات
ہیں جو بہت خوشنما ہیں۔ شہر میں ڈرینج کا معقول انتظام
نہیں ہے اس لیے بیماریوں کے پھیل جانے کا ہمیشہ خطرہ
لگا رہتا ہے۔ شہر کی آبادی ساٹھ ہزار ہے، لیکن جب
کبھی اضلاع سے امیر اور ان کے ہمراہ سپاہی وغیرہ کسی
تقریب سے آجاتے ہیں تو آبادی بڑھ جاتی ہے دیسیوں
کے سوا شہر میں کئی سو عرب، ہندوستانی، آرمینی، یونانی
اور یورپی وغیرہ آباد ہیں۔

ڈیرے ڈوا بھی مشہور شہر ہے۔ یہ اس ریلوے لاین کا
بڑا مقام ہے جو ادیس ابابا اور ساحل کے درمیان جاری ہے۔
للی بلا ایک چھوٹا سا مقام ہے جو لسٹا میں واقع ہے یہ ان
گرجوں کی حیرت انگیز عمارتوں کی وجہ سے مشہور ہے جو
چٹانوں کو تراش کر بنائے گئے ہیں۔ ٹگرے کے شہروں میں
اڈوا، اڈی گراٹ، مکیلے اور انٹالو مشہور ہیں۔ آخرالذکر
تین شہر اس سڑک پر آباد ہیں جو مساوا سے جنوب کو شوا
تک جاتی ہے۔ امہرا کے شہروں میں مگڈلا ہے جو شہنشاہ
تھیوڈور کا مستقر تھا، اور جہاں ۱۸۶۶ء میں برطانوی سفارت

کے ارکان قید کیے گئے تھے۔ ڈیبراٹیبر شہنشاہ جان کے عہد حکومت میں شاہی صدر مقام تھا۔ اس شہر اور گونڈر کے درمیان جھیل ٹانا کے شمال مشرقی جانب امبرامریم نامی ایک شہر ہے جہاں حضرت مریم کا چلہ ہے اور ان کے نام سے ایک گرجا بھی ہے۔ ڈیبراٹیبر کے جنوب مغرب میں چند میل کے فاصلے پر مہاڈیرامریم ایک مقام ہے جو کسی زمانے میں شاہی مستقر تھا۔ یہ ایک اہم تجارتی منڈی اور زیارت گاہ ہے۔ یہاں حضرت مریم اور حضرت عیسٰی کے نام سے دو گرجے ہیں جن کا اہل ملک بڑا احترام کرتے ہیں۔ سوکوٹا ایک بڑی مرکزی تجارتی منڈی ہے۔ جہاں زیادہ تر اس نمک کی تجارت ہوتی ہے جو جھیل الل بیڈ سے آتا ہے۔

شوا کے شہروں میں انکوبر مشہور شہر ہے اس کے مشرق میں الیوامبا ہے جو اس تجارتی گزرگاہ پر واقع ہے جو خلیج عدن کو جاتی ہے۔ ڈیرابیرھان ایک زمانے میں شاہی مستقر تھا۔ لیچے جنوبی حبش کے سب سے بڑے تجارتی شہروں میں ہے۔ لیکا، گلا لینڈ کی سب سے بڑی تجارتی منڈی ہے، جس کا راست تعلق گوجم، شوا اور سلطنت کے دوسرے حصوں سے ہے۔ بونگا علاقۂ کفا کا تجارتی مرکز ہے۔ جیرن صوبہ جما کا صدر مقام ہے، جہاں اطراف کے صوبوں کے تاجر کثرت سے جمع ہوتے ہیں۔ یہاں خلیج عدن کی بندرگاہوں سے پردیسی تاجر بھی آتے رہتے ہیں۔

ذرائع نقل وحمل

ملک میں خاص ریلوے لاین جبوتی-ڈرے ڈوواہے جس کا اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ ملک میں صرف چند سڑکیں ہیں جو گاڑیوں اور چھکڑوں وغیرہ کی آمدورفت کے قابل ہیں۔نقل وحمل کا کام خچروں، گدھوں، بیلوں اور اونٹوں سے لیا جاتا ہے۔

ڈرے ڈوواسے ہرر تک گاڑیوں کے لیے عمدہ سڑک ہے اور ہرر سے ادیس ابابا تک کاروالوں کے لیے بہت اچھا راستہ رکھا جاتا ہے۔ درمیان میں دریاے ہواش حائل ہے جس پر ایک آہنی پل ہے۔ ڈرے ڈوواسے ادیس ابابا تک نقل وحمل کے لیے ایک سیدھی سڑک ہے۔ادیس ابابا اور دوسرے خاص خاص شہروں کے درمیان ٹیلیگراف کے تار ہیں۔ بعض شہروں میں ٹیلیفون بھی ہے۔

تجارت

حبش کا چونکہ کوئی بندرگاہ نہیں ہے اس لیے بیرونی تجارت حسب ذیل مقامات کے ذریعے ہوتی ہے شمال میں مساوا (اطالوی) سے، جنوب میں جبوتی (فرانسیسی)، زیلا اور بیربیرا (برطانوی) سے۔ان بندرگاہوں کے لیے مرکزی مقام

عدن ہے جہاں سے تمام اشیا اور مال تقسیم ہوتا ہے۔ علاقہ جات ٹگرے وامہرا کے مال کے لیے بہترین بندرگاہ مساوا ہے، اور بقیہ تمام ملک کے لیے جبوتی۔ جنوبی، حبشں کفا اور گلا لینڈ کی پیداوار ہرریں جمع ہوتی ہے اور وہاں سے جبوتی اور سمالی لینڈ کے دوسرے بندرگاہوں کو جاتی ہے روزیریز اور گلابٹ دو سرحدی شہر ہیں جن کے ذریعے اینگلو ایجپشین سوڈان سے بھی اچھی خاصی تجارت ہوتی ہے۔ فرانسیسی اور برطانوی بندرگاہوں پر تجارتی آزادی ہے، لیکن اس مال پر جو دوسرے ملکوں سے اطالوی بندرگاہ مساوا پر حبشں کے لیے اترتا ہے، محصول عاید کیا جاتا ہے اور اگر مال اطالیہ سے آتا ہے تو وہ محصول سے بری ہوتا ہے

اشیاے برآمد یہ ہیں:- قہوہ، کھالیں، ہاتھی دانت، مشک، شترمرغ کے پر، گوند، سیاہ مرچ، کٹ کے پودے، سونا (کم مقدار میں) اور جانور۔

کھالوں کی تجارت عدن کے ذریعے امریکہ سے ہوتی ہے۔ امریکہ قہوہ کی بھی بہت بڑی مقدار خریدتا ہے۔ مڈگاسکر سے جانوروں کی تجارت ہوتی ہے۔

درآمد کی چیزوں میں روئی کا کپڑا سب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے چادریں تو امریکہ سے آتی ہیں اور بقیہ کپڑا انگلستان اور ہندوستان سے۔ کپڑے کے بعد دوسری

اشیاے درآمد کا درجہ ہے، جن میں ہتیار، گولہ بارود، چاول شکر، آٹا اور دوسری اجناس قابلِ ذکر ہیں۔ موم بتیاں، دیا سلائیاں، شطرنجیاں، ٹوپیاں اور چھتریاں بھی اشیاے درآمد میں ہیں۔

سکہ

انیسویں صدی کے اختتام تک حبشں میں سکہ کا کام میریا تھیریسا تھیلیر، چٹانی نمک کی سلاخوں اور کارتوسوں سے لیا جاتا تھا ۱۸۹۴ء سے ایک نیا سکہ رائج کیا گیا ہے لیکن قدیم سکے میریا تھیریسا کا چلن بعض مقامات میں بند نہیں ہوا۔ اس قدیم سکے کی بڑی دلچسپ سرگزشت ہے۔ یہ پہلے ملکۂ میریا تھیریسا کے زمانے میں آسٹریا میں ڈھلتا تھا۔ یہ بڑا اور شاندار سکہ تھا۔ وزن میں انگریزی کراؤن سے صرف تین گرین کم تھا۔ ہندوستانی روپے سے بہت بڑا ہے۔ اس کی شہرت افریقہ اور مصر سے گزر کر یورپ اور خلیج فارس کے راستے ہندوستان تک پھیل گئی تھی۔ یہ چونکہ بڑا شاندار سکہ تھا اس لیے مشرقی ممالک میں بہت مقبول ہوا یہاں تک کہ عورتیں اپنے زیوروں میں اس کا استعمال کرنے لگیں۔ یہ اب بھی ڈھلتا ہے اور رائج ہے اور اب تک اس پر ۱۷۸۰ء کندہ ہوتا ہے جو ملکۂ تھیریسا کا آخری سال حکومت ہے۔ جب سے ۱۸۹۴ء میں ٹلاری

سکہ رائج ہوا اس وقت سے قدیم سکے کا چلن رفتہ رفتہ کم ہو رہا ہے۔

۱۹۰۵ء میں بنک آف ابی سینیا کھولا گیا جو ملک کا سب سے پہلا بنک ہے اور جس کا مرکزی مقام ادیس ابابا ہے قومی بنک مصر نے شہنشاہ مینے لک سے مراعات حاصل کرکے اسے قایم کیا ہے۔ اس کا قیام مصری قانون کے تحت عمل میں آیا تھا۔ مینے لک نے اسے پچاس سال تک ملک میں اپنے کاروبار کرنے کا ٹھیکہ دیدیا تھا۔ اس کا سرمایہ اس وقت پانچ لاکھ پونڈ تھا۔ اسے نوٹ جاری کرنے، ملکی سکہ ڈھالنے اور دوسرے تجارتی کاروبار انجام دینے کے پورے اختیارات دیے گئے تھے۔

باب دوم

قدیم حبش کی تاریخ

قدیم اہل فرنگ بر اعظم افریقہ کے اس ملک کو جو اس کے شمالی مشرقی گوشے میں واقع ہے۔ اتھی یوپیا کے نام سے یاد کرتے ہیں جس سے اب حبش مراد ہے۔ ایک زمانہ میں اس کے شمالی حدود سائین تک پہونچے تھے ابتدائی زمانہ میں مصر اور اتھی یوپیا کے درمیان بڑے گہرے تعلقات تھے۔ بعض اوقات دونوں ملک ایک ہی حاکم کے زیر نگیں تھے۔ اس تعلق کی بدولت دونوں ملکونکی تہذیب اور فنون آپس میں ایک دوسرے سے متاثر ہوئے تھے۔

قدیم زمانہ میں اہل اتھی یوپیا کے اسرائیلوں سے بھی تجارتی تعلقات تھے۔ حبشی والوں میں ایک روایت مشہور ہے کہ ایکہزار سال قبل مسیح کے لگ بھگ ان کے ملک پر ملکۂ سبا (جس کو عربی میں بلقیس کہا جاتا ہے) فرمان روا تھی۔ جس نے حضرت سلیمان سے یروشلم میں ملاقات کی۔ ان دونوں

سے مینیلک نامی فرزند پیدا ہوا۔ شاہان حبشہ کا ادعا ہے کہ وہ اسی مینیلک کی اولاد سے ہیں یہ بھی مشہور ہے کہ جب بنی اسرائیل اسیر کر کے بابل بھیجے گئے تو کئی یہودی حبشہ میں آکر آباد ہو گئے اور اپنے ساتھ اپنے مذہبی علوم بھی لائے۔

سکندر کی وفات کے بعد جب یونانی بادشاہ (جن کا لقب بطلیموس تھا) مصر پر حکمران تھے۔ تو یونانیوں کے فنون اور کاروبار نے اتھی یوپیا میں راہ پائی اور اسطرح رفتہ رفتہ یہاں یونانیوں کی آبادیاں قائم ہو گئیں ان نو آبادیوں کے مصری بادشاہوں نے اپنی فتوحات کو وسعت دی اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہیں نو آبادیوں سے ایک سلطنت قائم ہوئی جسے اکسوم کہتے ہیں جو پہلی صدی سے لے کر ساتویں تک برقرار رہی اور اس عرصے میں ایک وقت اس کو اصل حبشہ کے برابر وسعت حاصل تھی۔ اس سلطنت میں دو بڑے شہر تھے۔ اکسوم تو پایۂ تخت تھا اور اڈولسی بندرگاہ۔ یہ دونوں تجارتی مرکز تھے۔

عیسائیت کا آغاز

چوتھی صدی عیسوی میں اس ملک میں عیسائیت کی اشاعت کا آغاز ہوا۔ سنہ ۳۳۰ء کے قریب اسکندریہ کے سینٹ اتھانیسیس نے فرومینٹیس کو اتھی یوپیا کا پہلا اسقف مقرر کیا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس ملک میں اس نئے مذہب نے بہت ہی کم ترقی کی ۔ اکزومائیٹ عیسائی سب سے آخری جدید الایمان عیسائی تھے۔

پانچویں صدی عیسوی کے اختتام پر عیسائی راہبوں کی ایک بڑی جماعت ملک میں بس گئی۔ اسوقت سے رہبانیت کی ایک زبردست لہر لوگوں میں دوڑ گئی جس کا اثر عام حالات پر پڑے بغیر نہ رہ سکا۔ چھٹی صدی عیسوی کے آغاز میں بادشاہ حمیر نے اُن عیسائیوں کے ساتھ جو بحر قلزم کے مقابل ساحل پر آباد تھے ظالمانہ برتاؤ کیا۔ جسٹینین اول شہنشاہ روم نے یوکزوم کے بادشاہ سے استدعا کی کہ وہ مظلوم عیسائیوں کا انتقام لے۔ اس استدعا کے بموجب اس نے ایک لشکر جمع کیا۔ اور عرب میں داخل ہوا اور یمن کو فتح کیا۔ (۵۲۵ء)، جو تقریباً پچاس سال تک محکوم رہا۔ الحبش یو بیا کے قبضہ میں عرب کا سب سے زیادہ دولت مند حصہ تھا، جس کی تجارت ہندوستان اور سیلون تک پھیلی ہوئی تھی، ان کے یونانی سلطنت سے بھی مستقل تعلقات تھے۔ لیکن جب عرب سے انکا اخراج ہوا اور اس کے بعد ساتویں صدی عیسوی کے وسط میں مسلمانوں نے مصر کو فتح کیا۔ تو صورت حال بدل گئی۔ اور پھر جب پیغمبر اسلام کے پیروؤں کی فتوحات کو وسعت ہونے لگی تو اس ملک کے تعلقات مغربی دنیا سے تقریباً منقطع ہو گئے۔ اہل الحبش یو بیا پر اسلامی فتوحات کا جو اثر پڑا اس کو گبن نے ان الفاظ میں ادا کیا ہے:-

"اہل الحبش یو بیا اپنے مذہبی دشمنوں سے گھر کر ایک ہزار سال تک سوتے رہے۔ دنیا سے وہ غافل تھے اور دنیا ان سے غافل تھی"۔

۹۶۰ء کے قریب ایک یہودی شہزادی جوڈتھ کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ خاندان شاہی کے تمام افراد کو تہ تیغ کر کے زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لے۔ وہ اس ہولناک خیال کو عمل میں لا رہی تھی کہ شیر خوار بادشاہ کو

ایک وفادار غلام نے بچا لیا۔ اور شوا لیگیا۔ جہاں اسکی بادشاہت تسلیم کی گئی۔ لیکن بقیہ حصہ ملک پر جوڈتھ چالیس سال تک فرمانروائی کرتی رہی اسکے بعد اسکے جانشینوں میں بھی یہہ حکومت منتقل ہوتی گئی۔ یہان تک کہ ۱۲۶۸ء مین یہہ سلطنت پھر قدیم خانوادۂ شاہی کے قبضے مین آ گئی۔

پرتگال اور حبش

یورپ مین یہہ بات پہلے سے عام طور پر مشہور تھی کہ مشرق بعید میں ایک عیسائی سلطنت ہے۔ جس کے فرمانروا کا نام پریسٹر جان ہے اس کی تلاش مین اہل یورپ نے کئی مہمین بھیجیں جن لوگوں نے اس ملک کی تلاش مین سرگردانی کی ان میں بیڈ روڈ می کوولہم پرتگالی بہی ہے یہہ ۱۴۹۰ء مین حبش پہنچا اور یہہ خیال کرکے کہ منزل مقصود کو پالیا وہاں کے بادشاہ کو (جس کا لقب نجاشی تہا) اپنے آقا والی پرتگال کا ایک خط دیا جو پریسٹر جان کے نام تھا۔

کوولہم اس ملک مین قیام گیر ہوگیا۔ ۱۵۰۰ء مین میتھیو نامی ایک آرمینی کو نجاشی نے بادشاہ پرتگال کی خدمت مین بھیجا۔ اور یہہ درخواست کی کہ وہ مسلمانوں کیخلاف اوسکی امداد کرے۔ ۱۵۲۰ء میں پرتگالیوں کا ایک بیڑا جس مین میتھیو بھی شریک تہا۔ بحر قلزم میں داخل ہوا۔ بیڑے میں سے ایک سفارتی جماعت نے نجاشی سے (جسکا نام لیبنا ڈینجل ڈیوڈ دوم تہا) ملاقات کی اور حبش مین چھ سال تک قیام کیا ۱۵۲۸ء اور ۱۵۴۰ء کے مابین مسلمانوں کی فوجین ایک ترک سپہ سالار محمدؐ کی زیر قیادت حبش میں داخل ہوئیں۔ اور سلطنت کو فتح کرلیا۔ حبش کا فرمانروا پہاڑوں میں پناہ لینے پر مجبور ہوگیا۔ اور ایسے نازک وقت مین اُسے پھر پرتگالیونسے

تمہید

از جناب قاضی عبدالغفار صاحب۔ مدیر پیام

زرخیز زمین، کالے اور سستے مزدور، اور معدنیات! یہ تین چیزیں یورپین امپریلسٹ کو اپنی طرف اسطرح کھینچتی ہیں جیسے مقناطیس لوہے کو۔

حبش کی بڑی خطا یہی ہے کہ اوسکی زمین زرخیز اور معدنیات سے پر ہے، اور کالے مزدور سستے اور محنتی ہیں! ایسے ملک کا فرض ہے کہ وہ اپنے قدرتی ذخایر کی جھولیاں امپریلزم کے قدموں میں لوٹ دے! اور ایسا نہ کرے تو پھر اوس کو زندہ رہنے کا حق ہی کیا حاصل ہے؟

اور امپریلزم بھی جب روما کا قدیم امپریلزم ہو جو ہزارہا سال تک لوہے اور آگ سے نمو حاصل کرتا رہا تو پھر کس کی مجال ہے کہ جو کہہ سکے کہ کثرت سے روئی اور قہوہ پیدا کرنے والے وحشیوں کو یہ حق بھی حاصل ہے کہ وہ آزاد رہ سکیں! یورپین تدبر کی جامع اللغات میں ایسے جتنے ہیں —— کالے اور وحشی اور نیم وحشی —— سب سیاسی یتیم ہیں اور بدرجہ غایت سرپرستی اور سیادت کے محتاج! اونکا غلہ اونکا لوہا، اونکا سونا اونکی روئی، اونکا قہوہ، اونکی زمین، سب خدا کے مہذب نمایندوں کی سرپرستی و سیادت

مدد لینے کی ضرورت پڑی۔ پرتگالیوں کا ایک بیڑا ہندوستان سے اسٹیفن ڈگاما کی سرکردگی میں روانہ ہوا۔ اور فروری ۱۵۴۱ء میں مساوا پہنچ گیا۔ یہاں نجاشی کی جانب سے ایک ایلچی اس سے ملا اور مسلمانوں کے خلاف امداد کی استدعا کی جولائی ۱۵۴۱ء میں ساڑھے چار سو تفنگچیوں کا ایک دستہ اسٹیفن ڈیگاما کے چھوٹے بھائی کرسٹ فورڈ ڈیگاما کی سرکردگی میں اندرون ملک داخل ہوا۔ اور دیسی فوجی دستوں سے مل کر پہلے پہل تو دشمن کے مقابلے میں کامیاب ہوا۔ لیکن اس کے بعد شکست اٹھائی اور گرفتار ہو کر قتل کر ڈالا گیا (اگست ۱۵۴۲ء)۔ ۲۱۔ فروری ۱۵۴۳ء کو محمد بھی ایک مہم میں مارا گیا اور اسکے فوجی دستوں کو قطعی پسپائی ہوئی۔ اس کے بعد اہل پرتگال اور نجاشی میں نزاع پیدا ہو گئی۔ پرتگالی بیڑہ کی سفارت کا ایک رکن جان برماڈز بھی تھا جو ایک عرصہ تک حبش میں قیام کر کے یورپ گیا تھا۔ اور کرسٹ فورڈ ڈیگاما کے ساتھ واپس آیا تھا۔ اب جب نجاشی مسلمانوں کے چنگل سے آزاد ہوا اور ملک سے جنگ کی بلائیں دور ہو گئیں تو اس نے خواہش کی کہ نجاشی علانیہ رومی گرجے کی تقلید (یسوعیت) کا اعلان کرے۔ نجاشی نے انکار کیا۔ اور اس انکار کے بعد حالات کچھ ایسے ہو گئے کہ جان برماڈز کو اس ملک سے علیحدہ ہونا پڑا۔

وہ یسوعی جو ڈیگاما کے مہم میں یا اس کے بعد ابی سینیا آئے تھے۔ اور جنہوں نے اپنا مستقر عدوہ کے قریب فریمونا کو بنایا تھا، بادشاہ کے مظالم اور بے اعتنائی کا شکار ہوئے۔ یہ سب کچھ ہوا لیکن ملک سے اُن کے اخراج کی نوبت نہ آئی۔ یہاں تک کہ فادر پیڈرو پیز فریمونا پہنچا یہ شخص نہایت سلیقہ مند اور سنجیدہ مزاج تھا۔ اس نے فوراً درباری رسوخ اور مراعات حاصل کیے۔

اور بادشاہ کو اپنے عقیدے پر لے آیا۔ اس نے ملک کے مختلف حصوں میں گرجے، محل اور پل بنوائے۔ اور بہت سے مفید کام انجام دیے۔ اس کے بعد اسکا جو جانشین ہوا وہ بہت ہی کم مصلحت پسند شخص تہا جس کا نتیجہ یہہ ہوا کہ لوگ مشتعل ہو گئے۔ اور آخرکار پرتگالیوں کو نجاشی سینسنیس اول کی وفات اور اس کے بیٹے کی تخت نشینی پر ۱۶۳۳ء میں ڈیڑہ سو سال کے قیام کے بعد حبش سے رخصت ہونا پڑا۔

اس کے بعد ایک فرانسیسی طبیب سی۔ جے پانسے نے حبش کا سفر کیا۔

۱۷۶۹ء میں جیمس بروس نامی ایک انگریز نے حبش کی سیاحت کی۔ اس کی سیاحت کا منشا دریائے نیل کا مخرج معلوم کرنا تہا۔ اس نے بادشاہِ ملک کی معیت میں بڑے مہم جویانہ جوش کے ساتہ تحقیقات کیں اور اپنی مساعی میں بڑی حد تک کامیاب بہی ہوا۔

مقامی تاریخ

اہلِ فرنگ کی سیاحتوں اور اثرات سے اگر قطع نظر کی جائے تو حبش کی تاریخ زیادہ قدیم نہیں۔ گزشتہ تین سو سال بلکہ اس سے کچھ زیادہ عرصہ تک حبش صوبوں اور ضلعوں کا ایک مجموعہ تہا کوئی تنظیم نہ تہی۔ اور نہ کوئی مضبوط اتحاد، بلکہ ملک کے یہہ حصے آپس میں ایک دوسرے سے برسرپیکار رہتے تہے۔

ملک کے تین بڑے صوبے تھے ٹگرے (شمالی)، امہرا (وسطی)، اور شوا (جنوبی)، حکومت (ملکہ خدائی) کا پایۂ تخت امہرا میں تھا۔ جس کا حاکم اپنے تئیں نگس نیگستی (شاہ شاہان) کہتا تھا۔ اور اسے جب کبھی موقع ملتا دوسرے صوبوں سے خراج وصول کرتا تھا۔ نگس نیگستی کا لقب نسلی تعلق کی بناء پر سمجھا جاتا تھا اور تمام بادشاہوں کا ادعا تھا کہ وہ حضرت سلیمان اور بلقیس کی اولاد ہیں۔ لیکن اس دعوے کی کوئی اصلیت نہیں اس لیے کہ حکومت کسی ایک خاندان یا نسل میں نہیں رہی۔ بلکہ جو تلوار کے زور سے بادشاہ ہو جاتا تھا وہ یہی ادعا کرتا تھا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ شاہی نسل کا کوئی تحفظ نہ تھا۔ بعض بڑے صوبوں کے حاکم کبھی کبھی نگس (بادشاہ) کا لقب اختیار کر لیتے تھے۔ اس لیے کہ تین بلکہ اس سے زیادہ ایسے مواقع ملکی تاریخ میں آئے ہیں کہ تین نگس ایک ہی وقت میں برسرحکومت تھے۔

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ حبش کی تاریخ بڑی حد تک تاریکی میں ہے جس میں سوائے خانہ جنگیوں، وحشیانہ کارستانیوں، غیر مستقل حکومتوں تخت و تاج کے غصب، لوٹ مار اور قتل و غارت کے ہجوم کے کچھ نظر نہیں آتا۔ لیکن اس ظلمت و تاریکی میں بھی بعض اوقات امن و اطمینان کی کرنیں پھوٹتی رہیں۔

ملک کے بعض بادشاہ ایسے روشن خیال گزرے ہیں جنہوں نے بدنظمی کو تنظیم سے بدلنے کی کوشش کی اور رعایا کو امن و اطمینان اور تہذیب و تمدن کی برکتوں سے سرفراز کیا۔

[حبش کے انیسویں صدی سے قبل کے حالات پر امتداد زمانہ کا سیاہ نقاب پڑا ہوا ہے اور کوشش کے باوجود تفصیلی واقعات معلوم نہ ہو سکے متذکرہ بالا واقعات کی ترتیب میں زیادہ تر انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا سے مدد لی گئی ہے]

تاریخ حبش بیرونی مداخلت کے بعد

اہل حبش کو شاذونادر ہی ایسے غیر ممالک کے باشندوں سے سابقہ پڑا ہے جنکی خواہش ارض حبش کی تسخیر اور حبش کی آزادی کا خاتمہ کرنا نہ تھی۔ خدا کی مدد اور اپنے سپاہیوں کی شجاعت کی بدولت اپنے ملک کے پہاڑوں پر ہم ہمیشہ غالب اور آزاد رہے ہیں۔ اور ہمارے سر ہمیشہ فخر سے بلند رہے ہیں۔ (راس تفاری موجودہ شہنشاہ حبش کا سنہ ۱۹۲۶ء کا اعلان)

پندرہویں صدی سے قبل

شہنشاہ کے اس اعلان کی تصدیق تاریخ حبش کے ہر دور سے ہوتی ہے۔ حبش کی آزادی سب سے پہلے مصر کی نذر ہوئی۔ عجیب اتفاق ہے کہ آج وہی مصر حبش کی آزادی کا سب سے سرگرم حامی ہے زمانۂ قبل از تاریخ میں حبش اٹھارویں خاندان کے فرمانرداؤں کے ماتحت مصر کا

ایک باجگزار صوبہ تھا۔ یہاں ایک صوبہ دار رہتا تھا جو بادشاہ کو خراج میں سونا، ہاتھی دانت، بیل اور حبشی غلام بھیجا کرتا تھا۔ چنانچہ شمالی حبش کے علاقوں اور اکسوم کے نواح میں اب بھی مصری تہذیب کے آثار کتبوں اور عمارتوں کے کھنڈروں کی شکل میں بہ کثرت پائے جاتے ہیں۔ مصری اقتدار کا یہ دور گیارھویں صدی قبل مسیح میں ختم ہوگیا اور اہل حبش کو آزادی ملگئی لیکن اس دیکھے بھالے ملک پر مصر کی نظریں برابر جمی رہیں۔ چنانچہ مصر کے بطلیموسی خاندان نے حبش پر چڑھائی کی۔ اور سترنیاتا تک کے علاقہ کو تاخت و تاراج کر ڈالا۔ فوجیں پلٹ گئیں لیکن اپنے پیچھے یونانی اثرات کے لیے نشان منزل بناتی گئیں۔ چنانچہ اس مہم کے بعد ہی یونانیوں کو حبش کے جغرافیائی اور عمرانیاتی حالات کی تفتیش کا شوق پیدا ہوا۔ یونان کے سب سے مشہور شاعر ہومر نے اپنی نظموں میں حبش کے گیت گائے کہ "اسی سرزمین پر سورج رات کیوقت آرام کرنے چلا جاتا ہے"۔ ہیروڈوٹس نے وہاں کے لوگوں کے حالات سے یونانیوں کو آشنا کیا کہ "حبش میں دو نسلیں بستی ہیں۔ ایک نسل کے بال گھونگر والے ہوتے ہیں اور دوسری نسل کے سیدھے"۔ چنانچہ بلاخوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ یوروپ میں سب سے پہلے حبش کا تفصیلی علم یونانیوں کو ہوا۔ اور قرین قیاس ہے کہ ان ابتدائی معلومات کی چھان بین ہی سے فائدہ اٹھا کر دانایان فرنگ نے حبش کا رُخ کیا ہوگا۔ انجیل پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مصریوں سے چھٹکارا پانے کے بعد حبش کو دوبارہ غلامی کے دن دیکھنے پڑے اور آٹھویں صدی قبل مسیح تک حبش نینوا کی سلطنت کا حصہ رہا۔ کتاب ناحوم باب (۳-۹) میں لکھا ہے کہ "حبش اور مصر اس کی (فرماں روائی نینوا) توت کا

NOORMAHAL STARADHE BROU

انحصار تہا اور اس کی قوت لامحدود تہی، لیکن نینوا کا شیرازہ جلد بکھر گیا اور حبش ہمیشہ کے لئے آزاد ہو گیا۔

امتداد زمانہ نے حبش کی مفصل تاریخ پر بہ کثرت پردے ڈالدیئے ہیں اور یہہ معلوم کرنا بڑا دشوار ہے کہ ساتویں صدی عیسوی کے بعد سے حبش پر بیرونی ملک کے اثرات کی نوعیت کیا تہی۔ لیکن یہہ یقین ہے کہ آزاد ہونے کے بعد بھی حبش کے تعلقات۔ مصر، یونان، بحرہ روم، اور بحرہ ہند کے ساحلی ممالک سے نہ صرف قایم رہے بلکہ زیادہ گہرے ہو گئے۔ بیرونی ممالک سے تجارتی ربط ضبط، ملک کی زرخیزی اور اہل ملک کی دلیری کے باعث چوتھی صدی عیسوی تک حبش کی سلطنت کے حدود آبنائے باب المندب تک پہنچ گئے تہے۔ اسوقت نجاشی عازبیاض وہاں کا حکمراں تہا۔ غالباً ملک کی خوشحالی اور سلطنت کے عروج کی شہرت ہی کی بنا پر اس زمانہ میں مسیحی مبلغ یہاں آئے۔ شہنشاہ نے دین مسیحی قبول کر لیا۔ اور حبش کی زندگی میں ایک خفیف سا ذہنی انقلاب شروع ہوا۔ لیکن اس تبدیلی کا اثر تیرہویں صدی سے قبل نہ ظاہر ہو سکا۔ اس طویل وقفہ میں حبش میں متعدد انقلابات آئے جنکا تذکرہ یہاں بے موقع ہوگا صرف یہ یاد رکہنا کافی ہوگا کہ ۱۲۶۲ء میں حضرت سلیمان کا خاندان دوبارہ برسر اقتدار آیا۔ اور صوبہ شوا کے حکمران نے یہودیوں کو زک دیکر تمام حبش پر قبضہ کر لیا۔

یورپ کے نشاۃ ثانیہ کا آغاز بھی کم وبیش اسی وقت سے ہوتا ہے نشاۃ ثانیہ سے مراد نہ صرف فنون لطیفہ کی ترقی اور وطن پرستی کے جذبہ کا آغاز تہا۔ بلکہ اسی زمانہ میں یورپ نے اپنے پرانے معاشی نظام کے بندہنوں

کو توڑنا شروع کیا اور اپنے ملک کی ترقی کے لیے تجارت، جہاز رانی اور مشرقی ممالک سے دولت سمیٹنے کی ابتدا کی۔ اور مشرق کا سفر اختیار کیا۔

پندرھویں صدی

پندرھویں صدی سے تاریخ حبش کا نیا باب شروع ہوتا ہے۔ اس سے پہلے حبش نے بیرونی ممالک سے جس قسم کی راہ ورسم رکھی تھی۔ اسکی نوعیت بالکل مختلف تھی۔ مصر سے اسکے تعلقات آقا اور غلام کے تعلقات تھے۔ یونان اور فلسطین سے صرف اس نے ذہنی فائدے اٹھائے۔ یمن کو وہ اپنا محکوم تصور کرتا تھا۔ لیکن یورپ سے نئے ربط وضبط کے ہئیت ترکیبی میں کئی چیزوں کی آمیزش تھی۔ اور ان کے نتائج بھی بڑے دوررس ثابت ہوئے۔

نجاشی قسطنطین کو یورپ کے لوگوں سے راہ ورسم بڑھانے کی بڑی چاہ تھی۔ اس غرض سے اس نے سب سے پہلے پاپائے روم سے نامہ وپیام شروع کیا۔ کہ وہی ان دنوں ساری مسیحی دنیا کا مرکز ثقل سمجھا جاتا تھا۔ لیکن نجاشی کو مایوسی ہوئی اور جلد پتا چل گیا کہ مذہبی پیشوائی کے اثرات سیاسی تعلقات سے بالکل الگ ہیں۔ ان دنوں پرتگال والے بیرونی ممالک کی سیر اور جہاز رانی کے لیے بہت مشہور تھے۔ چنانچہ اب نجاشی نے پرتگال کو اپنے سفیر روانہ کیے۔ پرتگال کے لوگ عرصہ سے سُن رہے تھے کہ مشرق میں دور کہیں کوئی مسیحی سلطنت ہے۔ اس سلطنت کے متعلق مختلف روایتیں مشہور تھیں۔ کوئی اسے ہندوستان میں سمجھتا تھا۔ کوئی چین میں اور کوئی افریقہ میں اور یہ یقین کیا جاتا تھا کہ وہاں کے بادشاہ کا نام پریسٹر جان ہے۔ پرتگال کے بادشاہ الفونسو نے حبشی سفیروں کی بڑی آؤ بھگت کی لیکن

چونکہ اسوقت تک حبش تک پہنچنے کے معقول بحری راستے دریافت نہ ہوئے تھے۔ اس سفارت کا کوئی فوری نتیجہ نہ نکلا لیکن جب ۱۴۸۶ء مین راس امید کی راہ معلوم ہوئی تو ۱۴۹۰ء مین شاہ پرتگال نے کووہم کو اپنا سفیر بناکر حبش روانہ کیا۔ سیاسی ربط وضبط کی یہہ پہلی کڑی تھی۔

اس ربط وضبط کی وجہہ یہہ تھی کہ شمال میں ان دنوں ترکوں کا زور تھا۔ اور اسکا ہر لمحہ امکان کہ ترک بحیرۂ قلزم کو عبور کرکے حبش پر حملہ آور ہوجائنگے۔ اسی غرض سے شہنشاہ حبش نے پرتگال والوں سے دوستی بڑہائی شروع کردی تھی۔ ہرر پر مسلمانوں کا عرصہ سے قبضہ تھا ۱۵۲۷ء میں ترکوں نے بندرگاہ مساوا کو تسخیر کرنے کے بعد تمام شمالی علاقہ کو تباہ اور اکسوم کو تاراج کردیا۔ اسی زمانہ مین گذریوں کا ایک مضبوط اور جنگجو قبیلہ گالا شوا اور شمالی حبش مین داخل ہوا حبش پر چہار جانب سے دشمنوں کی یلغار شروع ہوگئی تھی اور ایسا معلوم تھا کہ مستقبل قریب میں حبش کا نام صفحۂ ہستی سے مٹ جائیگا اور یہہ غیر ممالک سے آنیوالی قوتیں حبش کے باشندوںکا نشان تک باقی نہ چھوڑینگی لیکن حبش کی بیچارگی جلد ختم ہوگئی۔ شاہ پرتگال نے وعدہ وفا کیا۔ اور ہندوستان مین مقیم شدہ پرتگیز فوج کو احکام بھیجے کہ تم جلد جاکر حبش کی مدد کرو ۱۵۴۱ء میں کرسٹو فرڈی گاما (جو واسکوڈی گاما کا چھوٹا بھائی تھا) ایک بحری بیڑہ کے ساتھہ بحیرۂ قلزم مین داخل ہوا۔ ترکوں سے مقابلہ ہوا اور دوران جنگ ہی مین کرسٹو فر اور ترکی جنرل دونوں ہلاک ہوئے لیکن شہنشاہ گلاڈیس کے لیے ابھی آفتوں کی ابتدا تھی۔ پرتگال نے مذہبی جوش یا دوستانہ تعلقات کی بناء پر حبش کا ساتھہ نہ دیا تھا۔ اسکا مقصد مالی منفعت تھا۔

اہل پرتگال نے حبش کی دولت کی کہانیاں سنی تھیں اور وہاں کے اتھاہ زر و جواہر سمیٹنے کے خواب دیکھے تھے۔ اب اُس خواب کی تعبیر کا موقع ملا تھا۔ انہوں نے شہنشاہ سے معاوضہ میں کثیر رقم اور تجارتی مراعات کا مطالبہ کیا۔ سیدھا شہنشاہ ان مغربی ہتکنڈوں سے ناواقف تھا۔ اسکے اضطراب کی انتہا نہ رہی۔

گالا قبیلہ الگ حملہ کی دھمکیاں دے رہا تھا۔ سونے پر سہاگا یہ کہ اسی زمانہ میں جزوئیٹ پادری کچھ پرتگال کی شہ پر اور کچھ روم کے بھیجے ملک میں داخل ہونے لگے۔ مغربی استعماریت کی تو یہ پرانی داستان ہے کہ پہلے مسیحی پادری پھر تجارتی جہاز اور انہیں کے ہمراہ بندوقیں اور سپاہی اور پھر ــــ تسخیر ــــ ان پادریوں نے چپکے چپکے یہاں بھی اپنی ریشہ دوانیاں شروع کیں۔ اور سنہ ۱۵۵۹ء میں شہنشاہ کلاڈئیس کے انتقال کے بعد ملک میں خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ "جسکی ذمہ داری سے جزوئیٹ پادری قطعاً بری نہیں کیے جا سکتے۔" (Hemlmot, 571)

اس خانہ جنگی کا اثر حبشی حکومت پر بڑا خراب پڑا۔ یعنی اس کے بعد تقریباً تین سو برس تک حبش مرکزی حکومت سے محروم ہو گیا۔ تمام صوبے مطلق العنان ہو گئے۔ اور ایک دوسرے پر حملے کرنے اور لوٹ مار کے سوا اُنکا کوئی کام نہ رہا۔ حبش کے اس دور کی تاریخ خانہ جنگی، باہمی عناد اور طوائف الملوکی کی تاریخ ہے۔

پرتگیز نبرد آزما جو بیرون ملک میں کاشت کرنے اور سکونت اختیار کر لینے کو برا نہ سمجھتے تھے اور جنکا مقصد تجارتی کارخانے کھولنا اور اقتدار بڑھانا

نفع حاصل کرنا تھا۔ ۱۶۳۱ء میں ملک سے نکال دیئے گئے۔ پرتگیز کے بعد تقریباً ڈیڑھ سو برس تک یورپین اقوام نے حبش کی جانب رخ نہ کیا۔ اٹھارہویں صدی عیسوی کی چھٹی دہائی کے لگ بھگ دوبارہ بادبان کسے جانے لگے۔ اور کشتیاں تیار ہونے لگیں۔ اور آگے پیچھے تین ملکوں کے جیوٹوں نے رخت سفر باندھ دیا۔ فرانسیسی ذرا پہلے پہونچے۔ اس کے بعد اطالوی اور پھر انگریز۔ اکا دکا آنے جانے والوں میں پانسے (فرنچ) اور جیمیس بروس (انگریز) قابل ذکر ہیں۔ بروس کا مقصد دراصل حبش کی چھان بین کرنا نہ تھا وہ تو اس غرض سے نکلا تھا کہ دریائے نیل کے مخرج کا پتہ چلائے۔ اُسے یقین تھا کہ یہ دریا مغربی حبش کے کسی علاقے سے نکلتا ہے۔ چنانچہ ستمبر ۱۷۶۹ء میں وہ مساوا پہونچا۔ ساوا کی بندرگاہ مغربی اقوام کے حبش میں داخل ہونے کی راہ تھی اور حبش میں جتنے یورپین مبلغ سفیر یا تاجر آئے وہ اسی بندرگاہ کی راہ آئے۔ بروس اکسوم کی راہ سے گوندار پہونچا اسوقت حبش کا شہنشاہ تیکلا دوم تھا۔ اس نے گوندار میں بروس کا خیر مقدم کیا اور مہمان نوازی اور خاطر تواضع کے علاوہ یہ مہربانی بھی کی کہ بروس کے ہمراہ دور تک خود گیا اور آگے رہبری اور رفاقت کی غرض سے چند معتبر سرداروں کو بروس کیساتھ کر دیا۔ بروس نے اپنے سفرنامہ میں بادشاہ کے اخلاق کی بہت تعریف کی ہے۔

صنعتی انقلاب کے بعد۔ انیسویں صدی نئے انداز سے ظاہر ہوئی یورپ اور امریکہ میں اس صدی سے زندگی کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ معاشی زندگی میں تغیرات رونما ہوئے۔ قدیم پابندیاں ٹوٹیں جدید فلسفۂ زندگی رائج ہوا اور

کے بغیر مٹتی ہے۔

اور پھر اگر حبش کی طرح اس سیاسی یتیمی کے ساتھ انفرادی غلامی کی لعنت بھی مسلط ہو! صرف یہہ خیال ہی کہ بنی نوع انسان کی کسی آبادی میں اس قسم کی غلامی کا رواج موجود ہے تہذیب و شایستگی کے مہاتماؤں کی نیند اور بھوک کو غارت کر دیتا ہے! مہذب فاتح انفرادی غلامی کا کا نام بھی سنا گوارا نہیں کرتا! البتہ اگر اجتماعی اقتصادی اور معاشی غلامی ـــ کہیں ـــ اور خصوصاً دنیا کی "پست اقوام" پر ـــ مسلط ہو تو وہ کوئی ایسی بری چیز نہیں! سیزر اور انٹونی کی اولاد نے حبش کی وادیوں میں داخل ہو کر پہلا کام یہ کیا کہ انفرادی غلامی کے استیصال اور انسداد کا اعلان عام کرایا! اور مجرد یہی واقعہ فاتح کی نیت خیر پر ایک قابل انکار دلیل ہے!! میسولینی کی اعلیٰ انسانیت کو ہر اوس غلامی کے نام سے نفرت ہے جو رومائی غلامی نہ ہو!!

حبش میں اس رومی سورما کے جاریہ اقدامات نے جدید تمدن و سیاست کی تین نا قابل انکار حقیقتوں کو عریاں کر دیا ہے؛

ایک یہ کہ مذہب ـــ اور خصوصاً جب معاملہ "پست اقوام" سے ہو ـــ سیاست کی راہ میں حایل نہیں ہو سکتا۔

ایک یہ کہ انفرادی غلامی دنیا کی بد ترین لعنت ہے مگر اجتماعی غلامی کوئی ایسی بری چیز نہیں ـــ بلکہ مہذب اقوام کا فرض ہے کہ وہ "پست اقوام" کو اس مستحسن غلامی پر بزور شمشیر رضامند کر لیں!

اور ایک یہ کہ شخصی یا قومی شجاعت اور مصیبت ایک پارینہ اور بے معنی

تھوڑے عرصہ میں صنعتی انقلاب کے کارہائے نمایاں کے اثرات نظر آنے لگے۔ زمین کی طنابیں کھینچی جانے لگیں، خام اشیاء کی ضرورت نے خاک پھنکوانا شروع کیا اور تیار شدہ مال کے لیے بازاروں کی جستجو میں پاتال کی سیر کرنی پڑی۔ صنعتی انقلاب دن دونی رات چوگنی ترقی کر رہا تھا۔ کہ فرانس سے ایک شخص اٹھا جس نے دیکھتے دیکھتے سارے یورپ کے امن کو تہ و بالا کر دیا۔ اس عرصہ میں برطانیہ ہندوستان پر کافی اقتدار جما چکا تھا۔ اور ملک کی تسخیر کی تدبیریں جاری تھیں۔ نپولین جانتا تھا کہ اگر ہندوستان پر فرانس قابض ہو جائے تو برطانیہ جو فرانس کا سب سے خطرناک دشمن تھا۔ یقیناً ہزیمت اٹھا جائے گا۔ اسی خیال سے نپولین نے مصر پر چڑھائی کی تھی۔ اور گو اسے اپنے ارادوں میں اسوقت کامیابی نہ ہوئی لیکن فرانس پہونچکر بھی وہ مصر اور ہندوستان کے تسخیر کے خواب دیکھ رہا تھا۔ ان چند سطروں سے ہمارا مطلب یہ ہے کہ انیسویں صدی کے ابتدائی دور میں حبش کے ساتھ برطانوی تعلقات کے سمجھنے میں کوئی دشواری نہ ہو۔

۱۸۰۸ء میں نپولین کی قوت کا شباب تھا اور اسکا ہر لمحہ خطرہ کہ کہیں وہ روس سے ملکر مصر کو آپس میں تقسیم نہ کرلے اور پھر ہندوستان کا رخ کرے۔ یہ تھی حبش میں پہلی برطانوی سفارت کے آنے کی وجہ۔

خانہ جنگیاں

انیسویں صدی کا ابتدائی زمانہ تاریخ حبش میں بڑی طوائف الملوکی کا زمانہ کہا جاتا ہے۔ ایک جانب یورپ کی طاقتور قومیں حبش

پر للچائی نظریں ڈال رہی تھیں۔ دوسری جانب تخت نشینی کی لڑائیاں ملک میں انتشار پیدا کر رہی تھیں۔ شہنشاہ اذین کے انتقال کے بعد حبش کے تخت کے دو دعویدار پیدا ہو گئے۔ گوگسا رئیس گوندار اور دولدہ سلاسی رئیس تیگرے۔ آخر کار جنگ میں دولدہ سلاسی کی فتح ہوئی دولدہ سلاسی بڑا ہوشیار حکمران تھا۔ اور اپنی قوت و قابلیت سے وہ ۱۸۱۶ء تک تقریباً سارے حبش پر حکومت کرتا رہا۔ اور اسی برس کی عمر میں اس دنیا سے کوچ کر گیا

اسی بادشاہ کی خدمت میں ۱۸۰۵ء میں لارڈ ویلنتیا اور مسٹر ہنری سالٹ کی قیادت میں برطانیہ نے حبش کو ایک سفارت بھیجی۔ یورپ سے یہ پہلی سفارت تھی جو سرزمین حبش میں داخل ہوئی۔ اسکا مقصد شہنشاہ حبش سے ایک دوستی کا معاہدہ اور حبش سے بحیرۂ قلزم کے ساحل پر ایک بندرگاہ حاصل کرنا تھا تاکہ مصر کی راہ سے ہندوستان جانیوالوں کو بحیرۂ قلزم ہی میں روک دیا جائے

دولدہ سلاسی کے انتقال پر تخت نشینی کی جنگ دوبارہ شروع ہو گئی پندرہ برس کی کشمکش کے بعد ۱۸۳۱ء میں راس علی کو جو گوگسا رئیس گوندار کا بھتیجا تھا، الحمرا کا تخت مل گیا۔ اور اس نے فوراً اپنی شہنشاہی کا اعلان کر دیا اس پندرہ برس کے تاراجی دور میں مغربی اقوام نے حبش پر آسانی سے اپنا اثر قائم کر لیا اور شمالی حبش مغربی اقوام کے لحاظ سے دو حصوں میں منقسم ہو گیا۔ الحمرا میں اہل برطانیہ کا اثر تھا۔ اور تیگرے میں جہاں راس یوبی کی حکومت تھی فرانسیسیوں کا۔ فرانس سے سترہویں صدی کے آخر میں کچھ لوگ یہاں آئے تھے۔ لیکن شروع میں انہیں ایسی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا تھا اور اٹھارویں صدی میں خود فرانس میں ایسے انقلابات رونما ہوئے تھے کہ فرانسیسی سیاح

دوسری بار ۱۸۲۵ء سے قبل حبش نہ پہونچ نہ سکے ۱۸۴۳ء میں بادشاہ لوئی فلپ کی جانب سے یہاں ایک سفارت آئی جس نے شہنشاہ سے ایک صلحنامہ پر دستخط لیے۔ اہل فرانس نے اس سفارت سے آزاد چند ذاتی کوششیں بھی کی ہیں ۱۸۳۹ء میں برطانیہ کے نقش قدم کی پیروی کرتے ہوئے نان تو بور دیلے نے ایک فرانسیسی جہاز اس غرض سے افریقہ روانہ کیا کہ وہ بحرۂ قلزم میں کسی مقام پر ایک بندرگاہ خرید لے۔ دناکیل کے ساحلی باشندوں سے دو ہزار ڈالر پر ادیہ کا ساحلی گاؤں خریدا گیا۔ لیکن اس مہم کے بعد فرانس میں دوبارہ طوائف الملوکی شروع ہوئی۔ اور انقلاب کے طوفان میں حبش کی مہم کے کارنامے بھی نذر اجل ہو گئے۔ اور حکومت کی بے توجہی کے باعث کچھ عرصہ بعد یہ علاقہ اطالیون کے قبضہ میں چلا گیا۔ فرانس کی تیسری مہم زیادہ کامیاب رہی۔ بحرۂ قلزم کے جنوبی ساحل پر خلیج تجورہ بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ اس کے دہانہ پر ایک جزیرہ موشا نامی واقع ہے۔

۱۸۴۰ء میں انگریزوں نے اس جزیرہ کو اہل جزیرہ سے چاول کے دس بورہ پر خرید لیا تھا۔ ۱۸۶۲ء میں یہ جزیرہ چند سازشوں کے بعد فرانسیسیوں کے قبضہ میں آ گیا۔ لیکن اس جزیرہ کی جانب فرانس نے اسوقت توجہ کی جب افریقہ میں عام طور پر فرانسیسی ریشہ دوانیوں کی ابتدا ہوئی۔ ۱۸۸۳ء میں اس جزیرہ سے قریب کے ساحل کی زمینیں حاصل کی گئیں اور ۱۸۸۴ء اور ۱۸۸۵ء میں تجورہ اور گوباد کے سلطانوں کو قوت کی دھمکی دیکر اور انکے علاقوں میں خوفناک سازشیں کر کے فرانس نے انہیں معاہدہ کرنے پر مجبور کیا جس کا نتیجہ فرانسیسی نوآبادی کی شکل میں ظاہر ہوا۔ اس نوآبادی کا نام فرانسیسی صومالی لینڈ ہے

اسطرح اس قوم نے جو اپنے ملک میں "آزادی" مساوات اور اخوت" کے ترانے گایا کرتی ہی حبش نے بہونچکر دوسروں کو غلام بنایا۔ گورے اور کالے مین خیال تمیز قایم کرکے اخوت کا خون کیا۔

الحمرا میں برطانیہ کا اثر تہا۔ لیکن غالباً یہہ اثر زیادہ نتیجہ خیز نہیں ہوا۔ گو سنہ ۱۸۳۰ء اور سنہ ۱۸۵۰ء کے درمیان برطانوی سیاحوں اور مذہبی مبلغین کی یورش بہت بڑہ چکی تہی۔ اور انکی تعداد مین بہی روز بروز اضافہ ہوتا جاتا تہا۔ لیکن برطانوی باشندوں کو خاطرخواہ کامیابی نہ ہوئی۔ اسکی دو وجہیں ہو سکتی تہیں۔ اول یہہ کہ خود شہنشاہ مسلمان تہا۔ اور اسپر فرنگی عیسائی مبلغین کا اثر بعید از قیاس بات تہی۔ دربار کی اس مخالفت کے علاوہ خود حبش کے قدیم مسیحی فرقہ کو ان بیرونی مبلغین سے سخت نفرت تہی۔ کئی بار انہوں نے ان کے خلاف اپنے جذبات کا عملی طور پر بہی اظہار کیا۔ حبش کے ملکی علمبرداران کلیسا ذاتی منفعت سیادت مین کسی کو اپنا شریک بنانا پسند نہ کرتے تہے۔ اور نہ وہ کسی رقیب کی مداخلت کی تاب لاسکتے تہے۔ چنانچہ شمال مین ناکام ہوکر اہل برطانیہ نے جنوب کی جانب رخ کیا۔ ہندوستان کے گورنر جنرل کو برطانوی حکومت سے احکام ملے کہ وہ حبش کے جنوبی سرداران قبیلہ سے نامہ و پیام شروع کرلے اسکی ابتدی میں سنہ ۱۸۴۱ء میں ہندوستان سے ایک سفارت میجر ہیرس کی قیادت مین حبش روانہ کی گئی۔ اسوقت شوا اور عیفات اور گالا کے علاقون پر بادشاہ سحالاسیلاسی کی حکومت تہی۔ میجر ہیرس نے بادشاہ سے ایک معاہدہ پر دستخط کرائے جسمین دونوں ملکوں مین دوستانہ اور تجارتی تعلقات کا وعدہ کیا گیا تہا۔

تھیوڈور۔ تھیوڈر کی شخصیت تاریخ حبش میں بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ اسکی حکومت سے حبش کے موجودہ دور کا آغاز ہوتا ہے۔ حبش میں تین سو برس سے مرکزی حکومت مفقود ہو گئی تھی۔ تھیوڈر ہی نے دوبارہ مرکزی حکومت کی بنا ڈالی۔ اور اپنے طرز عمل سے واضح کر دیا کہ بیرونی اقوام سے تعلقات کی نوعیت کیا ہونی چاہیئے۔

یلج کاسا جو شہنشاہ تھیوڈر کے نام سے مشہور ہے اسوقت پیدا ہوا جبکہ تمام حبش انقلاب کے حلقوں میں گھرا ہوا تھا۔ شہنشاہ ودلدہ سیلاسی دو برس ہوئے کا انتقال کر چکا تھا۔ اور تمام طاقتور سرداران قبیلہ تخت پر حریصانہ نظریں ڈال رہے تھے۔ تھیوڈر کا باپ حبش کا ایک سردار تھا۔ اسکا چچا بہت دنوں تک حبش کے جنوبی صوبوں کا حاکم رہ چکا تھا۔ ابھی شباب کا آغاز تھا۔ کہ اسکا چچا مر گیا۔ اور راس علی کی ماں نے تھیوڈر کو اس کے مرحوم چچا کی جگہ صوبہ کا حاکم مقرر کیا لیکن تھیوڈر کی انقلابی فطرت اُسے نچلا نہ بیٹھنے دیتی تھی۔ اس نے جلد ہی طوق اطاعت اُتار پھینکا اور علاقہ دیمبیا پر قابض ہو گیا۔ کچھ دنوں کے بعد راس علی کے یقین دلانے پر کہ اسکی خطائیں معاف کر دیجائینگی۔ تھیوڈر راس علی کے دربار میں حاضر ہو گیا۔ ۱۸۴۷ء میں راس علی نے دور اندیشی۔ جو آگے چلکر بد اندیشی ثابت ہوئی۔۔ سے کام لیکر تھیوڈر کی شادی اپنی لڑکی طوادیش (وہ خوبصورت ہے) سے کر دی اس رشتہ کے بعد تھیوڈر اپنے آبائی علاقہ کو واپس آیا۔ اور کچھ دنوں تک سلطنت کا وفادار بنا رہا۔ اس دوران میں وہ جنوب کی جانب مہم پر نکل جاتا عرب قبیلوں کو لوٹتا اور وہاں سے مال غنیمت لیکر چلا آتا۔ کچھ عرصہ تک اس نے یوں ہی

لوٹ مار کی زندگی بسر کی۔ ایکبار اُسے ترکوں سے مقابلہ کرنا پڑا لڑائی میں اسکی ہار ہوئی۔ اور وہ بری طرح زخمی ہوا۔ اسی حالت میں اس سے ایک چھوٹی سی بات پر راس علی سے کشیدگی ہوگئی اور صحت یاب ہونے پر اُسنے آزادی کا اعلان کر دیا۔ راس علی نے آدمی بھیجکر بلوایا۔ اپنے مشیروں کو سمجھانے کے لیے بھیجا۔ لیکن کا سا جانتا تہا کہ راس علی کا اقتدار گھٹ رہا ہے۔ اور اگر دلیری سے کام لیا گیا تو تخت حاصل ہو جائے گا۔ اس نے سارے پیغام اور مشورے ٹھکرا دیئے۔ اور اپنی سپاہ اکٹھا کر کے گو جام کی جانب کوچ کر دیا۔ اس موقع پر راس علی کی لڑکی کا ذکر مناسب ہے۔ اسنے ہمیشہ اپنے شوہر کیساتھ وفاداری برتی۔ اور ہر موقع پر اس کے آڑے آئی۔ اس نبرد میں بھی اس نے کا سا کی ہمت بڑہائی۔ کئی بار ایسا ہوا کہ کا سا ٹہک کر بیٹھنے پر آمادہ ہوگیا۔ لیکن اسوقت عورت کا عزم کام آیا۔ اور کا سا کا دل بڑہا ۱۸۵۳ء میں اس مہم کی ابتدا ہوئی اور ۱۸۵۳ء ہی میں عیشل کی جنگ میں ہزیمت کے بعد راس علی کو تخت سے دستبردار ہونا پڑا۔ گو جام اور الحمرا پر قابض ہونے کے بعد تھیوڈر نے تیگرے کی حکومت پر حملہ کیا اور اوبی کو دیراسکی کے مقام پر ۱۸۵۵ء کو شکست دیکر سارا علاقہ اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ ۱۸۵۵ء کے آغاز تک سارا شمالی حبش ایک حکمران کے ماتحت آچکا تھا۔

۴/ فروری ۱۸۵۵ء کو تھیوڈر نے شہنشاہی کا اعلان کیا۔ اور بڑی دہوم سے جشن تاجپوشی منایا۔ اب تھیوڈر شہنشاہ تھیوڈر دوم کے نام سے مشہور ہوگیا۔

شمالی تسخیر سے فرصت پاکر تھیوڈر نے جنوب کا رخ کیا۔ یہاں شوا اور

اس کے جنوب میں گالا قوم آباد تھی۔ جو جفاکش اور جنگجو اور شوریدہ سر تھی۔
سارا جنوبی علاقہ چھوٹے چھوٹے خود مختار حکمرانوں میں بٹا ہوا تھا۔ جن کی حکومتوں
کے حدود چھوٹی چھوٹی ندیوں یا پہاڑ کی وادیوں سے تمیز کئے جاتے تھے
۱۸۵۶ء میں تھیوڈر نے شوا پر چڑھائی کی۔ حکومت شوا کی اول نصف صدی
کی تاریخ خوشحالی اور امن کی تاریخ ہے۔ ۱۸۱۳ء میں سہلا سیلاسی شوا کے
تخت پر بیٹھا سیلاسی میں رعایا پروری کا جذبہ موجود تھا اس نے پرانے
شہروں کو جو زمانہ کے ہاتھوں تباہ و برباد ہو چکے تھے۔ اور جن کے بسنے والوں
کو شہر سے زیادہ پہاڑوں کے غاروں میں پناہ ملتی تھی۔ دوبارہ آباد کیا
شہریوں کو یقین دلایا کہ ان کے گھر شاہی محل سے زیادہ محفوظ رہیں گے اور
انہیں مجبور کیا کہ وہ خانہ بدوشی کو ترک کر کے مستقل سکونت اختیار کرلیں۔
اس نے انیتوتو کا نیا شہر بنایا جسے انقلاب کے تھپیڑوں نے تہ خاک کر دیا
ہے۔ البتہ اس کے کچھ کھنڈرات اور تودے اب بھی عدیس ابابا کے پاس
دکھائی دیتے ہیں۔ بائیس برس حکومت کرنے کے بعد اسے ۱۸۳۵ء میں
ایک بار پھر رعایا کی خدمت کا موقع ملا۔ ملک میں شدید قحط پڑا جو تاریخ
میں "بوفا کے قحط" کے نام سے مشہور ہے۔ اس نے قحط کے انسداد کی ہر ممکن
کوشش کی۔ سیلاسی نہ ملکی انتظام کی صلاحیت رکھتا تھا بلکہ وہ دور اندیش
بھی تھا۔ اس نے مغربی اقوام سے بھی تعلقات پیدا کرنا شروع کیے۔ اسی کی
شہرت سن کر ۱۸۴۱ء میں ہندوستان سے ایسٹ انڈیا کمپنی کے سفیر میجر ہیرس
کی قیادت میں شوا آئے اور اس وقت سے بادشاہ سے تجارتی تعلقات کی
بنا پڑی۔ سیلاسی ۱۸۴۷ء میں انتقال کر گیا۔ سیلاسی کے بعد اسکا بیٹا ہیلا ملاکوٹ

تخت پر بیٹھا۔ لیکن اسے جلد ہی تھیوڈر کے مقابلہ کے لیے تیار ہونا پڑا تھیوڈر نے شوا پر حملہ کیا تو مقابلہ کی تاب نہ لاکر بادشاہ ہیلا ملاکوٹ ایک خانقاہ میں جا چھپا اور تھیوڈر نے شوا کو اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ اور ہیلا کر لڑکے مینلیک، کو وہاں کا حاکم مقرر کر دیا۔

تھیوڈر نے حبش میں مرکزی حکومت قایم کر دی اور حبش کے تمام مطلق العنان صوبوں کو دوبارہ سلطنت میں شامل کر لیا۔ لیکن اس پر یہہ حقیقت روشن ہو گئی کہ تسخیر کر لینا زیادہ مشکل نہیں۔ اصل دشواری تو تسخیر شدہ علاقوں پر حکومت کرنے اور انکے انتظام کے وقت شروع ہوتی ہے تھیوڈر سپاہی تھا۔ حکمران نہ تہا۔ لیکن اسے اپنی ان کمزوریوں کا احساس تہا وہ جانتا تہا کہ اسکی حکومت عمدہ انتظام کی بدولت نہیں قایم ہے بلکہ اُسکا انحصار اسکی فوجی قوت پر ہے۔ تھیوڈر کے پاس ڈیڑہ لاکھہ سپاہی تھے۔ اور حبشی رواج پر نظر ڈالتے ہوئے یہہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ پورے فوجی کیمپ میں چار پانچ لاکھہ سے کم آدمی نہ ہوتے ہونگے۔ یعنی حبش کی تقریباً چوتھائی آبادی کا کہانا کپڑا براہ راست حکومت کے ذمہ تہا۔ اور یہہ وہ جماعت تھی جو ملک کی دولت آفرینی میں ایک ذرہ برابر اضافہ نہ کرتی تھی۔ مشکل یہہ آن پڑی تھی کہ انتظامی امور سے بے بہرہ ہونے کے سبب تھیوڈر نہ تو انکی تعداد میں کمی کر سکتا تہا اور نہ انہیں ضروریات زندگی سے محروم رکھہ سکتا تہا۔ انہیں اسباب کی بناء پر اس نے ایک عظیم الوسعت حبشی سلطنت کا خواب دیکہنا شروع کیا۔ اس خواب کی تعبیر کے لیے وہ جلد از جلد آگے بڑہنا چاہتا تہا۔ لیکن اپنی بیچارگی کے سبب اسکی ہمت نہ پڑتی تھی کہ سلطنت کے

حدود بڑھانے کے لیے بلا کسی بیرونی امداد کے چل کھڑا ہو۔ چنانچہ اس نے اپنے انگریز رفقائے کار کے اشارہ پر ملکہ وکٹوریہ کو خط لکھا کہ "میں نے گالا قوم کو تو بھگا دیا ہے۔ لیکن ترک میرے آباء و اجداد کا ملک چھوڑنے سے انکار کرتے ہیں۔ میں نے دشمنوں کو (جیل اور دیلاؤڈن کے قاتلوں کو) نیست و نابود کر دیا ہے۔ اور اب مجھے آپکی مدد کی توقع ہے۔ برطانیہ سے مزید تعلقات کا ذکر آگے آئیگا۔ یہاں صرف یہ جان لینا کافی ہے کہ انگریزوں نے اس موقع پر تھیوڈر کا ساتھ نہ دیا۔ اس سے مایوس ہوکر تھیوڈر نے رعایا پر لگان اور محصول بڑھانے شروع کیے۔ کچھ دنوں تک تو رعایا نے جو زیادہ تر زراعت پیشہ تھی۔ ڈر سہم کر ان مظالم کو برداشت کیا لیکن آخر کار پیمانۂ صبر چھلک پڑا۔

کسانوں کی بغاوت۔ اس فوجی حکومت نے کسانوں کی حالت بحد خراب کر دی تھی۔ جاگیرداری نظام میں دن بھر محنت کے بعد کسانوں کے پاس شاید اتنا نہیں بچتا کہ وہ اپنا اور اپنے بال بچوں کا پیٹ پال سکیں اور اپنا اور اپنے گھر والوں کا تن ڈھانک سکیں۔ اس پر فوجی حکومت مستزاد رہی ہی پونجی بھی ختم ہو گئی اور ننگے اور بھوکے کسانوں کو زندگی دوبھر دکھائی دینے لگی۔ جن مقامات کے کسان زیادہ ہیبت زدہ تھے انہوں نے زرخیز زمینوں اور سرسبز کھیتوں کو خیرباد کہا اور پہاڑیوں اور جنگلوں میں جا چھپے۔ لیکن ان صوبوں میں جہاں کسان زندگی کی کشمکش سے آشنا ہو چکے تھے۔ انقلاب شروع ہو گیا۔ اور ایک ہی وقت میں گوجم، والکیت، شوا اور تیگرے میں کسانوں نے علم بغاوت بلند کر دیا۔ بادشاہ نے پوری قوت اور بیدردی سے اس اندرونی آفت کو روکنے کی کوشش کی۔ باغی علاقوں میں فوجیں بھیجی گئیں اور تمام علاقے تاخت و تاراج کر دیے گئے

لیکن آگ روز بروز تیز ہوتی گئی۔ کسانوں میں باہمی اتفاق اور اعتماد پیدا ہو گیا اور شاہی قوت کا رعب کم ہوتا گیا۔ جب شاہی فوجیں لوٹ جاتیں جنگلوں اور پہاڑیوں میں چھپے ہوئے کسان اپنے گاؤں کو پلٹتے۔ چند دن کھیتی باڑی کرتے اور غذا کا سامان اکٹھا کر کے فوجوں کی واپسی سے پہلے۔ انھیں پوشیدہ علاقوں میں جا بیٹھتے اس بغاوت نے بادشاہ کا سارا وقار خاک میں ملا دیا۔ دیکھنے والوں نے دیکھ لیا کہ ایک بادشاہ اپنی قوت کے بل پر دوسرے حکمران کی پیشانی زمین پر گھس دے سکتا ہے۔ لیکن کسی منظم جماعت کی قوت کا مقابلہ کرنے میں بڑے سے بڑا حکمران چکی کے دانہ کی طرح پس اٹھتا ہے۔ آہستہ آہستہ وہ علاقے جن سے سپاہیوں کے لیے رسد آتی تھی ویران ہونے لگے۔ سپاہیوں نے دیکھا کہ بادشاہ کی رفاقت مفید نہیں۔ تو انہوں نے بھی ساتھ چھوڑنا شروع کر دیا۔ اور جا کر باغیوں میں مل گئے۔ مجبور ہو کر تھیوڈر نے خود کمان ہاتھ میں لے لی۔ اور باغی علاقوں پر حملہ کر دیا۔ لیکن وہ جہاں جاتا نہ دشمن کی فوج نظر آتی نہ کوئی فریق مقابل۔ مگر آفت یہ تھی کہ کھانے کا سامان بھی وہاں سے مفقود ہوتا۔ تھیوڈر سب کچھ برداشت کر سکتا تھا لیکن نخوت کا مجروح ہونا اس سے دیکھا نہ گیا۔ اور جب اسے انتقام میں بھی ناکامی ہوئی تو اس کی مضطرب اور ہزیمت خوردہ فطرت غارتگری اور مظالم پر اتر آئی۔

تھیوڈر اور انگریز۔ ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ امہرا میں انگریزوں کا اثر تھا۔ یہاں راس علی کی حکومت تھی۔ راس علی کے زمانہ میں دو انگریز قسمت آزما ۱۸۴۲ء میں یہاں وارد ہوئے۔ جنکا نام جان بیل اور ریلاؤڈن تھا۔ جان بیل نے حبشیوں سے جلد تعلقات بڑھا لیے۔ ایک حبشی عورت سے شادی کر لی اور

اصطلاح ہے — شجاعت اور عصبیت اب توپوں اور تو ہریلی گیسوں میں مرکوز ہے! بازو اور دل کی قوت کو سائنس نے اپنے اندر جذب کر لیا!

اس عالم ابتلا کے ان تین حقائق کو حبش اور اٹلی کی آویزش میں جسطرح چاہیئے جانچ لیجیے! افریقہ پر روما کے حملوں کی داستان کوئی نئی داستان نہیں، فطرت وہی ہے، صرف اصطلاحیں بدل گئی ہیں۔

انجمن ترقی اردو نے یہ بڑا کام کیا ہے کہ عین اسوقت جبکہ یہ آویزش خون فشان ہے، حبش کے متعلق معلومات کا یہ ذخیرہ ان اوراق میں شایع کرایا۔ انجمن نے اپنے عام مسلک سے ذرا ہٹ کر اس قسم کے موضوع پر ایک مستند رسالہ شایع کرنا غالباً صرف اس لیئے گوارا کیا کہ ملک میں کوئی دوسرا ادارہ اسطرف متوجہ نہ تھا۔ اور یہ ایک احسان ہے جو انجمن نے اردو زبان کے پڑھنے اور بولنے والوں پر کیا ہے۔

کسی جنگ میں فریقین کی فتح و شکست سے زیادہ اہم وہ نتایج ہوتے ہیں جو فریقین اور تماشائیوں کی نفسیات پر مرتب ہوتے ہیں۔ ایشیا اور یورپ، گورے اور کالے کا مسئلہ اب کوئی ایسی بات نہیں جسکو فن سیاست کا کوئی مفکر نظر انداز کر سکے۔ جاپان کے مقابلہ میں روس کی شکست نے سب سے پہلے ایشیا اور "کالی دنیا" کی نفسیات میں ایک انقلاب پیدا کیا اور اگر اوسوقت دول یورپ کے دفاتر جنگ کو ذرا بھی یہ احساس ہوتا کہ روس کی شکست "کالی دنیا" کی بیداری کا پیش خیمہ بن جائیگی تو یقیناً یہ جنگ شروع ہونے سے پہلے ہی روک دی جاتی، لیکن یہ کسکو معلوم تھا کہ مشرق کا ایک جزیرہ مغرب کے اوس جوعظم کو شکست دیگا! آج پھر اسی قسم کا مقابلہ حبش کے میدانوں میں برپا ہے اور پھر مشرقی اجتماعی نفسیات پر انقلابی اثرات مرتب ہو رہے ہیں اور کیا معلوم کہ روما کی فاتحانہ رعونت کے نتایج کیا پیدا ہونے والے ہیں۔ لیکن اسمیں تو کلام نہیں کہ افریقہ کا یہ گوشہ

انہیں کی طرز معاشرت کا پابند ہوگیا۔ لیکن پلاؤڈن سچا انگریز تھا۔ بیل کے برخلاف اسکے سامنے ہر لمحہ برطانیہ کا مفاد تھا اور وہ "اس دور افتادہ علاقہ میں بھی برطانیہ کی نمائندگی کرتا تھا"۔ اسکی خواہش تھی کہ یہ مشرقی حکمران اسے برطانیہ کا سفیر تسلیم کریں۔ اس نے راس علی کو ملکہ وکٹوریہ کے پاس تحفہ بھیجنے کے لیے آمادہ کیا۔ لارڈ پامرسٹن کو حبش سے معاہدہ کرنے کے فوائد سے آگاہ کیا اور انگریزوں کے جذبات مشتعل کرنے کے لیے لکھا کہ "حبش میں مسلمانوں کا اقتدار ہے غلامی کا رواج ہے اور مسیحی عقیدتمندوں پر ظلم توڑے جاتے ہیں۔ آخرکار وزیر خارجہ نے اسے حبش کا قونصل بنادیا۔ ۱۸۴۸ء میں پلاؤڈن قونصل ہو کر آیا اور اس نے آتے ہی استعماری ہتکنڈے شروع کر دیے۔

راس علی سے ایک دستاویزی معاہدہ پر دستخط لیے اور ایک دن موقع پاکر راس علی سے برطانوی پرچم (یونین جیک) نصب کرنے کی اجازت مانگی۔ بادشاہ نے اجازت دیدی لیکن کہدیا کہ میں اسکی حفاظت کا ذمہ دار نہیں ہونگا۔ اس نے یہ پرچم اپنے قونصل خانہ پر لگایا۔ لیکن تھوڑے ہی عرصہ میں حبشیوں نے جھنڈے کی دھجیاں ہوا میں بکھیر دیں۔ حبشی کسی بیرونی اقتدار کی تاب نہ لاسکتے تھے۔ اس واقعہ سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ آج سے ایک صدی قبل بھی اہل حبش اپنے قومی وقار اور آزادی کو کس درجہ عزیز رکھتے تھے۔ تھیوڈور نے راس علی کی جگہ لی تو اسے ان انگریزوں سے بھی سابقہ پڑا۔ اس نے ابتدا میں انکی بڑی خاطر کی لیکن وہ ان مغربی ہتکنڈوں سے واقف تھا۔ اس نے انکی مالی امداد کی اور ان کو خوش رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن اسنے پلاؤڈن کو قونصل تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اور اس معاہدہ

کو بھی نامنظور کر دیا۔ جو راسم علی اور پلاوڈن کے درمیان ہوا تھا۔ تھیوڈر نے کچھ عرصہ کے بعد پلاوڈن کے گرد جاسوس لگا دیئے تا کہ پلاوڈن کے تمام خفیہ نقل و حرکت سے اُسے آگاہی ہوتی رہے۔ پلاوڈن نے مایوس ہو کر رخت سفر باندھ دیا۔ لیکن اثنائے راہ میں ایک باغی سردار نے مارچ ۱۸۶۰ء میں اسے ہلاک کر دیا۔

پلاوڈن کے مرنے کی خبر برطانیہ پہونچی تو کپتان کیمران کو ۱۸۶۲ء میں حبش کا سفیر بنا کر بھیجا گیا۔ تھیوڈر نے کیمران کا خیر مقدم کیا اور اوس کی واپسی کے وقت ملکہ کے نام ایک خط اور بکثرت تحائف بھیجے۔ کیمران عدوا آیا اور یہاں سے یہ سامان برطانیہ بھجوا کر خود کسلا چلا گیا۔ یہاں بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے ترکوں سے جو تھیوڈر کے سب سے خطرناک دشمن تھے کچھ ساز باز کیا تھیوڈر کو سارا حال معلوم ہو گیا۔ تھیوڈر کو ملکہ کے خط کا بھی انتظار تھا۔ لیکن برطانوی دفتر خارجہ نے تھیوڈر کے خط کو دفتر بے معنی سمجھ کر ردی کی ٹوکری میں ڈالدیا تھیوڈر نے دو برس تک جواب کا انتظار کیا لیکن اُسے مایوسی ہوئی برطانوی سفیر کی حبش کے دشمنوں سے سازش اور شہنشاہ کے خط پر تغافل یہہ وہ توہین تھی جسکی تاب تھیوڈر نہ لا سکتا تھا۔ اس نے طیش میں آکر کئی مذہبی مبلغین اور فرانسیسی اور انگریز سفیروں کو قید میں ڈالدیا۔ یہہ ۱۸۶۴ء کا واقعہ ہے اس قید کی اطلاع برطانیہ پہونچی تو تھیوڈر کے خط کی اہمیت کا اندازہ ہوا۔ راسم حبش بھیجا گیا۔ لیکن تھیوڈر نے اسے بھی قید کر دیا۔ آخر کار برطانوی حکومت نے سر رابرٹ نیپیر کو ہدایت کی کہ وہ ہندوستان سے فوج لیکر حبش کا رخ کرے اور برطانوی قیدیوں کو رہا کرلائے سر نیپیر تیس ہزار سپاہ کے ساتھ سولا کی

بندرگاہ میں جو ساوا سے جنوب میں واقع ہے وارد ہوا۔ حبشیوں نے راہ میں مدافعت نہ کی البتہ ۱۰ اپریل ۱۸۶۸ء کو مگدالا کے مقام پر ایک جھڑپ ہوئی۔ بادشاہ نے قیدیوں کو رہا کر دیا۔ لیکن انگریز سپاہ نے ۱۳ اپریل کو دوبارہ شہر پر دھاوا کیا۔ تھیوڈر مقابلہ کی تاب نہ لا سکتا تھا۔ ملک کی اندرونی خرابیاں مغربی اقوام کا طرز عمل اور ذاتی پریشانیاں ایسی نہ تھیں جنہیں آسانی سے برداشت کیا جا سکتا تھا۔ تھیوڈر اب زندگی سے سیر ہو چکا تھا اور جس وقت انگریز شہر میں داخل ہوئے تو انہیں معلوم ہوا کہ تھیوڈر نے خودکشی کر لی ہے۔ اسکا لڑکا انگلستان بھیج دیا گیا۔ جہاں کچھ عرصہ کے بعد اسکا انتقال ہو گیا۔

یہاں ایک دلچسپ سوال ہو سکتا ہے کہ برطانیہ نے قدیم روایت کے خلاف دشمن کو شکست دیکر کیوں حبش کی تسخیر نہ کی عام طور پر یہہ جواب دیا جا سکتا ہے کہ برطانیہ صرف قیدی رہا کرانا چاہتا تھا۔ لیکن تاریخ شاہد ہے کہ اس سے خفیف تر بہانوں پر بھی برطانیہ نے تسخیر ملکی کو جائز قرار دیا ہے اسکا اصل سبب جو تاریخ برطانیہ کے غائر مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے یہ تھا کہ ۱۸۷۰ء تک برطانیہ کے قبضہ میں تقریباً دنیا کا ایک چوتھائی حصہ آ چکا تھا۔ اور اس کی سلطنت کے یہہ علاقے کناڈا سے لیکر ملبورن تک اور جنوبی امریکہ سے لیکر رنگون تک پھیلے ہوئے تھے اتنی وسیع سلطنت کی حفاظت اور اسکا انتظام دو بھر ہو رہا تھا۔ اور برطانیہ کو مزید ملک گیری کی ضرورت محسوس نہ ہوتی تھی۔ اسکا ثبوت اس واقعہ سے ملتا ہے کہ ۱۸۶۵ء میں دار العوام کی ایک نمائندہ کمیٹی نے یہ قرارداد منظور کی تھی کہ برطانیہ کے لیے نئے مقبوضات حاصل کرنا یا کسی نئے ملک کا انتظام حکومت اپنے ذمہ لینا یا کسی دیسی قوم یا قبیلہ سے اس غرض سے معاہدہ کرنا کہ برطانیہ اسکی

سرپرستی کریگا۔ خلاف مصلحت اور دور اندیشی ہوگا۔ یہی وجہہ ہے کہ تین برس کے بعد جب حبش کے بادشاہ کو انگریزوں نے شکست دی تو حبش کی تسخیر کا کوئی خیال نہ پیدا ہوا۔

شہنشاہ جان۔ تھیوڈر نے اپنے بعد کوئی ایسا جانشین نہ چھوڑا جو تسخیر شدہ علاقوں پر حکمرانی کرتا اور مرکزی حکومت کے شیرازہ کو حوادث زمانہ سے بچائے رکھتا۔ تخت کے کئی دعویدار پیدا ہوگیے۔ اور خانہ جنگیاں دوبارہ شروع ہوگئیں۔ ٹیگرے کا صوبہ راس کسائی کے زیر حکومت تھا۔ کسائی نے تخت کی جانب ہاتھ بڑہایا تو لاستا اور گوجم کا والی شہزادہ گوبیسی حریف مقابل بن کر سامنے آیا۔ راس کسائی نے ۱۴ جولائی ۱۸۷۱ء کو عدوا کے مقام پر اپنے دشمن کو شکست دیدی۔ راس کسائی کی کامیابی کی سب سے بڑی وجہہ یہی بتائی جاتی ہے کہ جسوقت لارڈ نیپیر حبشی مہم سے سُرخرو پلٹا تو اس نے مہمان نوازی کے صلہ میں کسائی کو کثیر اسلحہ اور دیگر سامان جنگ دیدیے تھے۔ اسی سامان کی مدد سے راس کسائی نے اپنے دشمن پر آسانی سے فتح پائی۔

راس کسائی ۲۱ جنوری ۱۸۷۲ء کو حمرا کے تخت پر بیٹھا۔ اور جان کا لقب اختیار کیا۔ ان دنوں مصر میں خدیو اسمٰعیل حکمران تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ مشرقی سوڈان کی طرح حبش پر بھی اپنا اقتدار قایم کرے۔ شہنشاہ جان کو حکومت کرتے تھوڑے ہی دن ہوئے تھے۔ اور وہ اس زمانہ میں چھوٹے چھوٹے خود مختار رئیسوں کو محکوم بنانے میں مصروف تھا۔ خدیو اسمٰعیل نے جان کی اس مصروفیت سے فائدہ اٹھایا اور مصری سپاہ کو ورنزبے کی قیادت میں حبش کی تسخیر کو بھیجدیا ۱۸۷۲ء میں اس سپاہ نے حبش کے دو صوبے یوگونہ اور مینا مصری سلطنت

میں شامل کر لیے اس فتح سے خدیو کا دل بڑھا۔ اور ۱۸۷۵ء میں اس نے دوبارہ حبش کا رخ کیا۔ لیکن اس بار جان خطرے سے ہوشیار ہو چکا تھا۔ اس نے مقابلہ کی پوری تیاری کر لی تھی۔ مصری سپاہ نے تیگرے کے علاقے میں قدم رکھا ہی تھا کہ حبشی لشکر نمودار ہوا۔ اور گوڈاگوڈی کی جنگ میں مصریوں کو شکست فاش ہوئی۔ اور انہیں ناکام جانا پڑا۔ اگلے سال مصریوں نے پھر حبش پر حملہ کیا۔ اس دفعہ گورا کے مقام پر ۷ مارچ ۱۸۷۶ء کو شہزادہ حسن کی فوج کو حبشی سپاہ نے بری طرح پسپا کیا۔ بہ کثرت مصری کھیت رہے اور خود شہزادہ معدودے چند رفقاء کے ساتھ جان بچا کر مساوا پہنچ سکا۔

مصریوں سے فارغ ہو کر جان نے حبش کی دوسری مطلق العنان حکومتوں کی جانب توجہ کی شوا کے صوبے میں مینلیک حکمران تھا۔ اسے تھیوڈر نے یہاں کا حاکم مقرر کیا تھا۔ مینلیک نے تھیوڈر کے انتقال کے بعد حمرا کی اطاعت سے منہ موڑ لیا تھا۔ جان نے ۱۸۷۹ء میں شوا پر دھاوا کیا لیکن مینلیک نے دور اندیشی برتی اور دونوں حکمرانوں میں صلح ہو گئی۔ اور مینلیک نے جان کی اطاعت قبول کر لی مینلیک کی دیکھا دیکھی ۱۸۸۱ء میں گوجم کے حاکم راس عادل نے بھی جان کو شہنشاہ مان لیا۔ اسی زمانہ میں اطالیوں نے حبش کی جانب توجہ کرنا شروع کیا۔ اسی زمانہ میں سوڈان کی جانب سے حبش پر ایک نئی آفت آنی شروع ہوئی۔ درویشوں کی طاقت آہستہ آہستہ بہت بڑھ گئی تھی اور اب حبش کے لیے لازمی ہو گیا تھا کہ وہ درویشوں کے خطرے سے ملک کے امن کو متاثر نہ ہونے دے شہنشاہ جان نے مقابلہ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ ابھی وہ تیاریوں میں مشغول تھا کہ خبر آئی کہ کسالا پر درویشوں کا قبضہ ہو گیا۔ شہنشاہ نے اپنے خاص جنرل علولہ کو

دشمن کو پسپا کرنے کے لیے روانہ کیا۔ راس علولہ نے امی دیب کے مقام پر عثمان دنیعہ کے لشکر کو شکست فاش دی۔ راس علولہ کی مصروفیت سے فائدہ اٹھا کر درویشوں کے دوسرے لشکر نے دارالسلطنت گوندر پر حملہ کر کے اسے تاخت وتاراج کر دیا۔ اب شہنشاہ نے خود مقابلہ کی ٹھانی۔ لشکر کی ترتیب ہوئی اور شمال مغرب کی جانب شاہی فوج نے کوچ کر دیا۔ گلابات کے مقام پر بڑا سخت رن پڑا۔ ابتداء میں ذکی تومل کی سپاہ ہار گئی تھی لیکن اتفاقاً شہنشاہ جان کو ایک گولی لگی۔ شہنشاہ کے زخمی ہوتے ہی فوج کے قدم اکھڑ گئے اور بھگوڑوں نے بادشاہ کی لاش کو میدان میں چھوڑ کر وطن کی جانب کوچ کر دیا۔ یہ واقعہ ۹ مارچ ۱۸۸۹ء کا ہے۔

جیسے ہی مینلیک کو اس حادثہ کی خبر ملی اس نے اپنی شہنشاہی کا اعلان کر دیا۔ گوندر، گوجام اور ارد گرد کے متعدد رئیسوں نے آکر انکی اطاعت قبول کر لی لیکن راس علولہ اور شہنشاہ جان کے لڑکے نے مینلیک کو شہنشاہ تسلیم نہ کیا۔ مگر مینلیک نے انکو مطیع بنالینے کا عزم کر لیا تھا۔ چنانچہ جنوری ۱۸۹۰ء میں مینلیک ایک جرار لشکر کے ساتھ انکے مقابلہ کو روانہ ہوا۔ اس اہتمام کی اطلاع جان کے لڑکے کو ملیں تو اس نے مقابلہ سے گریز کیا اور بالآخر مینلیک کو شہنشاہ تسلیم کر لیا۔

شمالی علاقوں کو تسخیر کرنے اور انپر اپنا اقتدار قایم کرنے کے بعد شہنشاہ جنوب کی جانب رخ کیا۔ جنوب مشرق میں ہرر کی حکومت قابل ذکر ہے۔ جن لوگوں نے افریقہ کی تاریخ پڑھی ہے وہ جانتے ہیں کہ حبش نے بہت دنوں تک عرب کے ساحل پر بھی حکومت کی تھی۔ لیکن اسلام کے ظہور کے بعد عرب سے

حبشی اقتدار ہمیشہ کے لیے اُٹھ گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد زمانہ نے پلٹا کھایا اور وہی عرب جو کسی زمانہ میں حبش کے زیرنگیں تھا تلواریں تول کر حبش پر حملے کی دھمکیاں دینے لگا۔ اور جنوب و شمال کی جانب سے اضطراب کن خبریں آنے لگیں کہ عرب اور ترک حبش پر دھاوا کرنے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ عربوں نے حملے بھی کیے۔ اور پُرامن طریقوں سے بھی اس ملک میں منتقل ہوتے رہے۔ اور ہرر کے صوبے میں آہستہ آہستہ عربی اقتدار بڑھنے لگا۔ مسلمان مبلغین اور تاجر یہاں آ آ کر بسنے لگے حتیٰ کہ اُنیسویں صدی میں ملک بالکل اسلامی شیوخ اور سرداروں کے زیر اثر آ گیا۔ انہیں دنوں مصر کو ملک گیری کی ہوس پیدا ہوئی اور خدیو مصر اسمٰعیل پاشا نے انگریزوں کی شہ پر جنوب میں تسخیر ملکی کی ٹھان لی۔ طلباء سیاست سے مخفی نہیں ہے کہ اسی سلسلہ میں سوڈان، ارتیریا، مصر اور صومال کو کسطرح ہضم کر جانے کی تدبیریں اختیار کیں۔ جس زمانہ میں انگریز زیلا اور بربرہ پر متصرف ہو چکے تھے میجر ہنٹر ۱۸۸۹ء میں ہرر تک جا پہونچا۔ اور اس نے وہاں امیر عبدالحی عبدالشکور کو حکمراں بنا کر اسکے لیے ایک مختصر سی سلطنت قایم کر دی لیکن اس امیر کے معاملات میں ابتری پیدا ہو گئی۔ اس کے کچھ عرصہ بعد فرانس نے اپنی ایک جماعت بھیج کر اپنا اثر بڑھانے کی کوشش کی۔ یہ دیکھ کر زیلا کے انگریزی حاکم نے بھی صورت حالات کا مقابلہ کرنے کی تیاریاں شروع کر دیں لیکن مینلیک شہنشاہ ہو چکا تھا اور اُسکی عسکری قوت کا مقابلہ کرنے کے لیے مکمل انتظامات کی ضرورت تھی۔ مینلیک نے اپنے ایک بھتیجہ راس مکونان کو دس ہزار سپاہی دیکر ہرر کی تسخیر کے لیے روانہ کیا۔ مکونن ہرر پہونچا اور قبل اس کے کہ انگریز ہرر کے حاکم امیر عبداللہ کی مدد کو پہونچتے مکونن نے

عبداللہ کو تخت سے اُتار دیا اور منیلیک کے حکم سے ہرر کا صوبہ دار ہو گیا۔ موجودہ شہنشاہ حبش اسی راس مکونین کا لڑکا ہے۔ مکونن ایام جنگ میں ایک سپاہی اور اس کے زمانہ میں زبردست منتظم کی خصوصیت رکھتا تھا۔ اس نے سابق سلطان ایچ سلطان احمد فضل سے گہرے تعلقات پیدا کر لیے۔ اور اس طرف کے عربوں میں ہر دلعزیز ہو گیا۔ انہیں عربوں میں سے ایک شخص سید عبداللہ طاہر یمنی نے شہر جیجیجہ آباد کیا۔ اور اسی سے حکومت حبش نے ہرر کو مرکزی مقام بنا کر اوگادین اور حدا بورسی کے اکثر علاقوں پر اپنا قبضہ قایم کر لیا۔ منیلیک کے دوران حکومت میں حبش اور مغربی اقوام بالخصوص اطالیہ کے روابط میں یکگونہ تغیر رونما ہوا۔ حبش اور اطالیہ کے تعلقات کے مفصل تذکرہ کو ہم آیندہ کسی باب کے لیے اٹھا رکھتے ہیں۔ یہاں صرف اتنا جان لینا کافی ہے کہ منیلیک نے عدوہ کے مقام پر ۱۸۹۶ء میں اطالوی سپاہ کو شکست فاش دی اور صلحنامہ عدیس ابابا کی رو سے اطالیہ کو مجبور ہو کر حبش کی مکمل آزادی کو تسلیم کرنا پڑا۔

فتح عدوہ نے منیلیک کے اقتدار کو چار چاند لگا دیئے۔ حبش اور اس کے نواح کی ریاستیں جو اب تک خود مختار تھیں منیلیک کا لوہا ماننے پر مجبور ہو گئیں۔ انہوں نے سمجھ لیا کہ جو شخص اطالیہ جیسی طاقتور حکومت کو شکست دے سکتا ہے۔ وہ افریقہ کی قدیم اور قابل ریاستوں کو کب خاطر میں لائے گا۔ اس کے علاوہ خود حبش میں منیلیک کی شہرت اور مقبولیت بہت بڑھ گئی۔ حبش کے سبھی اوہام پرست منیلیک کو اپنا نجات دہندہ

تصور کرنے لگے اور انہیں یقین ہو گیا کہ اس شخص کو سلیمان اور داؤد نے اس غرض سے بھیجا ہے کہ وہ حبش کے باشندوں کو بیرونی حملوں سے بچائے مینلیک کی ہردلعزیزی کا یہ ایک ادنیٰ ثبوت ہے۔ کہ عدوہ کی فتح کے بعد سے آج تک کسی حبش کے باشندے نے اپنی اولاد کا نام مینلیک نہیں رکھا۔ مینلیک کا اب بھی اسقدر احترام کیا جاتا ہے کہ اسکا نام لینے سے قبل بادشاہ سے گدا تک ہر شخص زمیں بوس ہو جاتا ہے۔

خارجی تعلقات پر بھی اس فتح کا بڑا اچھا اثر پڑا۔ اب تک مہذب دنیا والے حبش کو جاہل قبیلوں کی ایک غیر مہذب اور غیر منظم انجمن سمجھا کرتے تھے۔ لیکن اس واقعہ کے بعد اُنکا فریب ٹوٹا۔ یورپ کی تمام حکومتوں نے مینلیک کے پاس سفیر بھیجنے شروع کئے۔ برطانوی سفیر سر رنیل راڈ نے ۱۵ مئی ۱۸۹۷ء کو حبش کے ساتھ ایک رفاقتی معاہدہ کیا۔ سنہ ۱۹۰۲ء میں برطانیہ نے حالات کی نزاکت کا اندازہ کر کے سوڈان اور حبش کے سرحدی خطوط قائم کرنے کی غرض سے حبش سے ایک صلحنامہ کر لیا۔ اسی صلحنامہ میں مینلیک کے ساتھ یہ معاہدہ بھی قرار پایا کہ حبشی حکومت جھیل ٹانا کے پانی کو نہ روکیگی۔ کہ اس سے برطانیہ کے سوڈانی مفاد پر خطرناک اثرات کا اندیشہ تھا۔

مینلیک کا دور حکومت حبش کی تاریخ میں سب سے زیادہ اہم اور ممتاز ہے۔ تمدن، معاشیات اور سیاست غرض ہر لحاظ سے مینلیک کے زمانہ سے حبش کی زندگی کا ایک نیا دور شروع ہوا ہے۔ اس کے عہد حکومت میں دنیا کی تمام مہذب اور ممتاز حکومتوں سے حبش کے سیاسی اور معاشی

تعلقات قایم ہوگئے اور جدید تہذیب کی داغ بیل پڑنا شروع ہو گئی۔
۱۸۹۴ء میں مینلیک نے بڑے سوچ بچار کے بعد ایک فرانسیسی کمپنی کو اجازت
دی کہ وہ بندرگاہ جبوتی سے عدیس ابابا تک ریلوے لائن بچھا دے
شہنشاہ نے عدیس ابابا (گل نو) کو اپنا دارالخلافہ بنایا کہ یہی مقام تقریباً
موجودہ حبش کے وسط میں پڑتا ہے۔ یہ ریلوے ۱۹۲۴ء میں بنکر تیار ہوئی
اور اندنوں اپنی سیاسی و عسکری اہمیت کی وجہ سے بڑی ضروری ہو گئی
ہے۔

مینلیک اور یورپین اقتدار۔ ۱۸۷۵ء سے قبل افریقہ میں یورپین
اقوام کی نبرد آزمائیاں انفرادی تھیں۔ اس سے یہ خرابی ہوتی تھی کہ دیسی
حکومتوں پر اپنا اپنا اثر قایم کرنے اور علاقوں کی تسخیر میں بجائے اس کے
کہ یورپین اقوام ملکر اہلِ افریقہ کا استحصال کرتے انہوں نے ایک دوسرے
کو نقصان پہونچانا شروع کیا۔ اور جہاں موقع ملتا اپنے رقیب کو رسوا
کرنے کی فکر کرتی رہتیں۔ یہی وجہ تھی کہ صدیوں کی آمد و رفت کے بعد بھی
ان اقوام کو اپنے ارادوں میں خاطر خواہ کامیابی نہ ہوئی تھی۔ ۱۸۷۵ء
میں لیوپولڈ بادشاہ بلجیم نے مسائل پر غور کرنے کی غرض سے ایک کانفرنس
منعقد کی جس میں یورپ کی تمام دولتیں شامل ہوئیں۔ اس اجتماع کا مقصد
یہ تھا کہ افریقہ کو مہذب بنانے اور ملک کے حالات جاننے کے لیے بہترین
طریقۂ کار پر غور کیا جائے۔ تین روز تک اس مسئلہ پر گفتگو ہوتی رہی بالآخر
بین الاقوامی انجمن افریقہ" کا قیام عمل میں آیا۔ اور مفاہمت کے بعد یورپ
کی دول عظمیٰ نے براعظم افریقہ کی باہمی تقسیم کا مصمم ارادہ کرلیا تقریباً دس برس

آج تمام ایشیا کی نظروں کا مرکز بنا ہوا ہے۔

ہندوستان کا حال یہ ہے کہ وہ جنگ کی صحیح خبروں سے بھی محروم ہے۔ ہم صرف وہی خبر سن سکتے اور پڑھ سکتے ہیں جو غیر ملکی خبر رساں ایجنسیوں کی سند حاصل کر کے ہم تک پہنچ پاتی ہے! حبش کے حالات کے متعلق اردو زبان میں کوئی ایک مستند رسالہ بھی ایسا موجود نہیں جس سے اوس ملک کے تاریخی، سیاسی اور اقتصادی حالات معلوم ہو سکیں۔ اس لیے انجمن ترقی اردو کا یہ اقدام بہت بر وقت اور بہت نتیجہ خیز ہے۔

یہ چند اوراق مختصر ہیں مگر مستند ہیں اور جو لوگ حبش کے موجودہ ابتلا کا تاریخ حاضرہ کی روشنی میں مطالعہ کرنا چاہیں اون کی ایک بڑی ضرورت کو یہ رسالہ پورا کرتا ہے۔

کیا اچھا ہو کہ اس سلسلہ کو ختم نہ کیا جائے بلکہ اس رسالہ کو بنیاد بنا کر انجمن حبش کی ایک اچھی تاریخ مرتب کرا دے۔

کے اندر اندر یورپین اقوام نے افریقہ کے بہت سارے علاقے تسخیر کر لیے اور جسوقت ۱۸۸۵ء میں برلن کانفرنس منعقد ہوئی تو اس سمجھوتہ کی ضرورت پڑی کہ یورپین اقوام جسوقت کسی علاقے پر قبضہ کر لیا کریں تو انہیں لازم ہے کہ اس کی اطلاع دوسری حکومتوں کو بھی دیدیں۔ ۱۸۹۰ء میں برسلز میں تیسری کانفرنس ہوئی جسمیں اقوام کے "حلقۂ اثر" تقسیم کئے گئے۔ اور ۱۸۹۱ء میں برطانیہ اور پرتگال کے درمیان دریائے زیمبیزی کے شمال کے علاقوں کی تقسیم کے لیے بھی ایک معاہدہ ہوا۔ ان دو آخری کانفرنسوں اور ۱۸۹۱ء کے معاہدہ اور پھر تمام افریقہ میں یورپین اقوام کی ریشہ دوانیوں سے منیلیک پوری طور پر آگاہ تھا۔ اس سے کچھ دن پہلے وہ اٹالیہ کے ساتھ صلحنامہ ادچیائی پر دستخط کر چکا تھا۔ اور وہ اس کے اندیشہ ہائے دور و دراز سے واقف تھا۔ اس تقسیم ارضی سے مضطرب ہو کر اسنے ۱۸۹۱ء میں تمام یورپین اقوام کے نام ایک گشتی یادداشت روانہ کی اسمیں اس نے ان اقوام کو بتایا تھا کہ "میں یہہ ارادہ نہیں رکھتا کہ اگر دور دراز کی قوتیں اس غرض سے اس براعظم پر آئیں کہ آپس میں تقسیم کرلیں تو میں لاپروائی سے یہہ تماشا دیکھتا رہوں پچھلی چودہ صدیوں سے ایتھیوپیا گمراہوں کے درمیان میں ایک مسیحی سلطنت رہی ہے۔ جس طرح قادر مطلق نے ایتھیوپیا کو ابتک بچائے رکھا ہے مجھے پورا یقین ہے کہ وہ آیندہ بھی اسے یوں ہی بچائے گا۔ اور ترقی دیگا۔"

اس دلیرانہ یادداشت نے مغربی اقوام کے ہوش درست کر دیئے۔ وہ منیلیک کی قوت اور اس کے اقتدار سے بے خبر نہ تھے۔ انہوں نے جلد جلد منیلیک سے معاہدے کرنے شروع کئے۔

فروری ۱۸۹۱ء میں اٹالیہ اور حبش میں معاہدہ ہوا۔ اور اپریل ۱۸۹۱ء

میں برطانیہ اور حبش میں فرانس نے آہستہ آہستہ قدم اٹھایا تھا۔ اور مشرقی افریقہ میں اسکی دلچسپیاں بھی ایسی نہ تھیں کہ وہ یہاں کے مقامی پیچیدگیوں میں زیادہ اُلجھتا۔ اسیوجہ سے مینلیک نے بھی مناسب جانا کہ فرانس کو ریلوے لائن بچھانے کی اجازت دیدے۔ یہہ واقعہ ۱۸۹۴ء کا ہے۔

جانشین

عداوہ کی فتح کے بعد مینلیک کو اپنا جانشین منتخب کرنے کی فکر ہوئی۔ لوگوں کا خیال تھا کہ شہنشاہ راس مکونان کو کہ وہی بادشاہ کا دست راست اور پورے حبش میں سب سے زیادہ لائق شخص تھا۔ اپنا جانشین بنائے گا۔ خود بادشاہ کا بھی یہی ارادہ تھا۔ لیکن سوء اتفاق کہ راس مکونان کا مارچ ۱۹۰۶ء میں انتقال ہوگیا۔ منگاشا بھی اسی سال کے آخر میں مرگیا۔ بادشاہ کی کوئی اولاد نہ تھی۔ اسوجہ سے یورپ میں عام طور پر یہہ خیال پھیل گیا کہ گو مینلیک نے اپنی دانشمندی، جرأت اور اخلاق کی وجہہ سے سارے حبش کو اپنا گرویدہ اور مرکزی حکومت کو بیحد مضبوط کرلیا ہے۔ لیکن اسکی وفات کے بعد دوبارہ خانہ جنگیوں کا امکان ہے۔ اس سے یورپ کی تین قوتیں یعنی فرانس، برطانیہ، اور اطالیہ کو بڑا اندیشہ ہوگیا۔ ان میں سے کوئی بھی نہ چاہتا تھا کہ حبش پر ایک کا مکمل اقتدار قایم ہو۔ اس کے علاوہ فرانس کو ریلوے بنانے کا اجارہ مل گیا تھا۔ اطالیہ نے اسمرا اور اس کے نواحی علاقے پر قبضہ کرلیا تھا۔ برطانیہ کے پاس سوڈان اور کینیا وغیرہ کی نوآبادیات تھیں۔ ان تینوں قوتوں کے مفاد میں تصادم کا امکان نہ تھا۔ کیونکہ انکے مقبوضات کے بیچ میں تھا۔ اسی وجہہ سے تینوں قوتیں چاہتی تھیں کہ حبش کی مرکزیت اور آزادی باقی رہے۔ چنانچہ ۱۹۰۶ء میں برطانیہ اطالیہ اور

۳۱۳۴ ۳۹۹۵

فرانس کے درمیان ایک صلحنامہ ہوا جس کے ابتدائی الفاظ میں اس صلحنامہ پر یوں روشنی ڈالی گئی تھی کہ دول ثلاثہ کا متفقہ مقصد یہ ہے کہ حبش کی مرکزیت اور اوسکی آزادی کا شیرازہ مضبوط رہے " اس صلحنامہ کے دفعہ اول میں تینوں حکومتوں نے یہہ معاہدہ کیا تہا کہ ہم "حبش کی موجودہ سیاسی اور علاقہ جاتی حالت کو برقرار رکہنے کی کوشش کریں گے۔ جولائی میں یہہ معاہدہ ہوا جسے شہنشاہ نے دسمبر میں تسلیم کرلیا۔ لیکن اس موقع پر مینلیک نے دول ثلاثہ کو صاف الفاظ میں آگاہ کردیا تہا کہ اس سے شہنشاہ پر کوئی ذمہ داری نہیں عائد ہوتی۔ اور اسکی تاجداری پر کسی قسم کا اثر نہیں پڑتا۔

شہنشاہ مینلیک نے ملکہ تیتو سے ۱۸۸۳ء میں شادی کی تہی لیکن ملکہ کے بطن سے بادشاہ کی اپنی اولاد کوئی نہ تہی۔ البتہ ملکہ کی اس سے قبل کی شادیوں سے تین اولادیں تہیں۔ ایک لڑکا جو شباب میں انتقال کرگیا تہا۔ دو لڑکیاں۔ شوراغہ اور زیدیتو۔ شوراغہ کی شادی راس میخائیل سے ہوئی تہی۔ جس سے ایک لڑکا لیج لیسوع تہا۔ مینلیک نے مجبور ہوکر لیج لیسوع کو اپنا جانشین نامزد کیا۔ اور راس طیاما کو اسکا مدارالمہام مقرر کیا۔ راس طیاما بیحد ذہین اور ہوشیار تہا۔ لیکن ۱۹۱۱ء میں اسکا انتقال ہوگیا۔ اسکی جگہہ مینلیک نے ایک مجلس وزرا نامزد کی تہی جس کے ذمہ لیج لیسوع کی نگرانی تہی۔ یہہ مجلس ۱۹۱۳ء تک اپنے فرائض انجام دیتی رہی۔

انیسویں صدی کے اختتام تک مینلیک کی مرکزی حکومت کو تقریباً تمام ملکی رئیسوں اور بیرونی ریاستوں نے تسلیم کرلیا تہا۔ ملک میں نسبتاً امن تہا اور آہستہ آہستہ مغربی تہذیب کی درخشاں شعاعیں دنیا پر تو ڈالنے لگی تہیں

نہ صرف حبشی دربار میں مغربی اقوام کے نمایندے آ آکر قیام کررہے تھے، بلکہ حبش نے بھی اپنے سفیر یورپ بھیجنے شروع کردیئے تھے۔ چنانچہ ۱۸۸۹ء میں راس مکونان کچھ عرصہ کے لیے اٹالیہ میں حبش کا سفیر ہوکر گیا تھا۔ بیسویں صدی کے ابتدائی چند سال حبش کی تاریخ میں صرف اس اعتبار سے قابل ذکر ہیں کہ اسی دور میں حبش نے متعدد حکومتوں سے سرحدی خطوط کی تشریح کی غرض سے کئی ملخاسہ کئے تھے جنکی اہمیت اسوقت بہت ہوگئی ہے اور جنکا ذکر آگے کسی باب میں آئے گا۔ ۱۹۰۸ء میں ناگہانی طور پر شہنشاہ منیلیک پر فالج کا حملہ ہوگیا جس کے باعث وہ حکومت سے تقریباً معذور ہوگیا۔ اس معذوری کے بعد وہ پانچ برس تک زندہ رہا۔ اس درمیان میں حکومت کا سارا کاروبار وزرائے سلطنت کے ذمہ تھا۔ ۱۹۱۳ء میں منیلیک نے انتقال کیا۔ وہ عظیم الشان حکمران تھا۔ اس کے خیالات مائل بہ عروج تھے۔ وہ ایک لائق حکمران اور مضبوط شخص تھا۔ اور اس کے نام کی عزت ابتک دلوں میں گھر کیے ہوئے ہے اور لوگ اب بھی "با منیلیک" کی قسم کھاتے ہیں۔

منیلیک کے بعد لیج لیسوع تخت نشین ہوا۔ اس کے عادات وخصائل اچھے نہ تھے اور اسے حکومت کا کوئی ملکہ نہ تھا اور سلطنت ہاتھ آتے ہی وہ بری صحبتوں میں پھنس گیا۔ لیج لیسوع کے برسر اقتدار آنے کے تھوڑے ہی عرصہ بعد جنگ عظیم کا آغاز ہوا۔ گو جنگ میں حبش نے براہ راست شرکت نہ کی لیکن وہاں کی عام فضا اس خون ریز طوفان سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی اس زمانہ میں جو جرمن باشندے یہاں بکثرت آئے ہوئے تھے انہوں نے

حبش میں اپنے جال پھیلانے شروع کر دیئے تھے۔ اور انکی چالوں کا یہ نتیجہ نکلا کہ صومالی لینڈ
میں امیر عبداللہ "پاگل مُلّا" کی بغاوت میں لیجو نے درپردہ برطانیہ کے خلاف مُلّا کا ساتھ
دیا اور اتحادیوں کے خلاف رویہ اختیار کیا۔ لیکن برطانیہ نے اس خطرہ کو جلد محسوس کر لیا
اور ۲۷ ستمبر ۱۹۱۶ء کو لیجو تخت سے اتار دیا گیا۔ اور انکی جگہ مینلیک کی سوتیلی لڑکی
زیدیتو تخت پر بٹھائی گئی۔ اور راس تفاری مکونان کو جو مینلیک کے بھتیجے راس
مکونان کا لڑکا تھا تخت کا وارث اور مدار المہام مقرر کیا گیا۔ لیج لیسوع نے دناکیل
اور بعد میں تیگرے میں بھاگ کر پناہ لی تھی۔ لیکن ۱۹۲۱ء میں اُسے گرفتار کر لیا گیا اور
وہ اب بھی عدیس ابابا میں قید کی زندگی گذار رہا تھا۔

۱۹۲۳ء میں راس تفاری نے مجلس اقوام کی رکنیت کی استدعا کی
برطانیہ نے اعتراض کیا۔ کہ حبش ابھی اس قابل نہیں کہ تہذیب یافتہ اقوام کی برابری
کرے اور انکی انجمن میں شریک ہو سکے۔ لیکن اطالیہ نے حبش کو انجمن میں داخل
کر لئے جانے پر بڑا زور دیا۔ حبش نے وعدہ کیا کہ وہ جلد از جلد تہذیب کی نمائش میں
دوسروں کے برابر ہو جائے گا۔ اور عنقریب غلامی اور دیگر مذموم رواجوں کا خاتمہ
کر دیگا۔ فرانس نے بھی اطالیہ کی تائید کی۔ ان دونوں قوتوں کی سفارش
سے حبش مجلس اقوام کا رکن ہو گیا۔ ابھی اس واقعہ کو تھوڑے ہی دن گذرے
تھے کہ برطانیہ اور اطالیہ میں حبش کے مستقبل کے بارے میں یادداشتیں دوڑنے
لگیں۔ برطانیہ کا مقصد تھا کہ اطالیہ سے جھیل تانا اور دریائے نیل پر برطانوی
اقتدار کی صداقت منوا لے اور اس کے بدلے میں اطالیہ کو اجازت دیدی
کہ وہ جائز اور ناجائز طریقہ سے ارتیریا اور اطالوی صومالی لینڈ کے درمیان
حبش کی راہ سے ایک ریلوے لائن بنالے اور مشرقی حبش پر اپنا اثر قایم کر لے

اور اس ریلوے کے نواح کے علاقون سے معاشی فائدے اٹھائے۔ اگر "حلقہ اثر" قایم کرنے کی یہہ چال چل گئی ہوتی اور حبش کے مشرقی علاقے پر اطالیہ اور مغربی علاقہ پر برطانیہ کا اثر بیٹھ جاتا۔ تو اس کے معنی یہہ ہوتے کہ تھوڑے عرصہ بعد حبش ان دونون اقوام کی مشترکہ نوآبادی کی شکل اختیار کر لیتا لیکن راس تفاری کو اس سمجھوتے کا علم ہوگیا اور ۱۹۲۵ء مین اس نے مجلس اقوام سے اس خطرناک خفیہ سازش کے خلاف احتجاج کیا۔ برطانیہ اور اطالیہ نے حبش کو اسکا یقین دلایا کہ اسکا مقصد حبش کی آزادی سلب کرنا نہ تھا اور حبش وان کے مقدس ارادہ کی جانب سے بدظنی ہوگئی ہے اس کے ثبوت مین اطالیہ نے حبش کے ساتھہ ۱۹۲۸ء مین "رفاقت جاودانی" کا معاہدہ کیا جس کا سات سالہ جشن ان دنون حبش کی سرحدون پر اطالوی توپون کی فلک شگاف گرج اور تباہ کن بمباری کے ذریعہ منایا جا رہا ہے۔

اس معاہدہ کے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد حکومت حبش میں ایک خفیف تبدیلی ہوئی۔ ملکہ زیدیتو بڑی رجعت پسند تھی۔ اسپر مذہبی پیشواؤن کا بڑا اثر تھا اور ان نفس کے غلامون کی ہمیشہ یہہ کوشش رہتی تھی کہ حبش جدید تہذیب اور ترقی سے آشنا نہ ہونے پائے۔ کیونکہ جدید فلسفۂ زندگی مین اُن رجعت پسند خون چوسنے والون کے لیے کوئی جگہہ نہین رہتی۔ راس تفاری مینلیک کی آنکھین دیکھے ہوے ہے۔ اسکا باپ حبش کا مشہور جنرل اور مدبر تھا۔ راس تفاری سمجھہ رہا تھا کہ موجودہ زمانہ مین اگر حبش نے جلد از جلد اپنی قوت قوی نہ کرلی اور تہذیب مین ترقی نہ کرلی تو جینا محال ہو جائے گا۔ انہین خیالات سے متاثر ہو کر، ۲ نومبر ۱۹۲۸ء کو راس تفاری نے اپنی بادشاہت کا اعلان

کر دیا۔ اپریل ؁۳۰ء میں ملکہ کا بھی انتقال ہو گیا اور نومبر ؁۳۰ء میں راس تفاری مکونان نے عدیس ابابا کے مقام پر اپنی شہنشاہی کا اعلان کیا اور بڑی شان و شوکت سے جشن تاج پوشی منایا۔ اس موقع پر اکثر مغربی سلطنتوں کے نمائندے شریک جشن ہوئے تھے۔

باب سوم

تہذیب تمدّن و معاشرت

مذہب۔ تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ عہد قدیم مین ابی سینا میں بت پرستی کا رواج تہا۔ اور یہی مذہب یہان کے عام باشندوں کا مذہب تہا۔ تقریباً ایک ہزار سال قبل مسیح یہان کے باشندون نے یہودیت کو اپنا مذہب بنایا۔ بعد ازین تقریباً ۳۳۰ء مین ملک کی آبادی کے ایک بڑے حصہ نے یہودیت چہوڑ کر عیسائیت اختیار کی لیکن اس کے باوجود اس سرزمین سے یہودیت کے آثار فنا نہ ہو سکے۔ حقیقی مسیحی تعلیم اور ابی سینا کی مروجہ مسیحیت مین زمین آسمان کا فرق ہے۔ یہان کی مسیحیت میں مصری یہودی، قبطی، لاطینی اور بت پرستانہ طریقون کی آمیزش بدرجۂ اتم موجود ہے۔ اس کا اندازہ ابی سینیا کے مسیحیون کے رسم و رواج ۔ فرنیچر اور جیوّن سے کیا جا سکتا ہے۔ عیسائیت کے ابتدائی زمانہ مین اہل یونان میں جو افسانوی خیالات پائے جاتے تہے وہ اب تک ابی سینیا کے مسیحیون مین موجود ہیں۔ عام طور پہ یہ تسلیم کیا گیا کہ سنہ ۳۳۰ء مین ایک تباہ شدہ جہاز کے کچھ بچے کھچے لوگ ساحل ابی سینیا پر صحیح وسلامت پہنچ گئے۔ ان لوگون نے

ابی سینیا کے بادشاہ اور اس کے درباریوں تک عیسائیت کا پیغام پہنچایا اور انہیں عیسائی بنا لیا۔ ان میں سے ایک شخص اسکندریہ جا پہونچا اور وہاں کے ذمہ دار ارکان کی اجازت سے ابی سینیا کا اسقف اعظم قرار پایا۔

لیکن عیسائیت قبول کرنے کے متعلق خود اہل ابی سینیا میں جو روایت مشہور ہے وہ اس سے مختلف ہے۔ ان کا بیان ہے کہ سنہ ۳۳۰ء میں میقودی ابوجابٹ نے ملک کے شمالی اضلاع کا دورہ کیا۔ ابھی وہ تھوڑے ہی سے آدمیوں کو عیسائی بنا سکا تھا کہ اسے ملک بدر کر دیا گیا۔ الوریز کا بیان اس سے مختلف ہے۔ اس نے ملکہ کنیڈاس کو ابی سینیا کی پہلی عیسائی ملکہ قرار دیا ہے۔ اسکا بیان ہے کہ ملکہ موصوفہ کا مستقل دار الحکومت اقسوم میں واقع تھا۔ ملکہ کے عیسائیت قبول کرنے کا واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ اسکا ایک خواجہ سرا بیت المقدس گیا وہاں اس سے فلیپ کی ملاقات ہوئی۔ فلیپ نے اسے بپتسمہ دے کر مسیحی بھیڑوں میں شامل کر لیا۔ ابی سینیا میں عیسائیت کی نشو و نما کے متعلق ایک اور روایت بھی مشہور ہے مگر اس روایت کی حیثیت ایک افسانہ سے زیادہ نہیں۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ کے ایام طفولیت میں اہل ابی سینیا کو یکایک آسمانی ہدایت ہوئی۔ اور انہوں نے عیسائی مذہب قبول کر لیا۔ اس کے بعد سے عام باشندے عیسائیت پر بڑی سختی سے قایم رہے۔ مختلف خارجی و داخلی طاقتوں نے متعدد موقعوں پر عیسائیت کو ابی سینیا سے ہٹانے کی کوشش کی لیکن اسکی بنیادیں اسقدر مضبوط ہو چکی تھیں کہ انتہائی مخالفانہ کوششوں کے باوجود کوئی شخص اسے نہ ہٹا سکا۔ جن خارجی حملوں سے یہاں کی مذہبی حالت پر اثر پڑا ان میں سے سنہ ۱۵۲ء کے اسلامی حملے اور گالا بت پرستوں کے حملوں کو

ایک خاص حیثیت حاصل ہے۔ سولہویں صدی عیسوی میں ایک اور حملہ ہوا مگر اس حملہ کی نوعیت سابقہ حملوں سے بالکل جداگانہ تھی۔ کچھ پورتگیز مسیحی مبلغ ابی سینیا آئے اور انہوں نے یہاں کی مروجہ عیسائیت کے خلاف علم جہاد بلند کیا۔ انہیں اپنی تبلیغ میں اس حد تک کامیابی ہوئی کہ ایک بادشاہ نے قبطی کلیسا سے بیزاری کا اعلان کر دیا۔ اور نہ صرف یہہ کہ خود رومن کیتھولک فرقہ ہی میں شامل ہو گیا بلکہ اسے ابی سینیا کا قومی مذہب قرار دیدیا۔ لیکن یہہ کامیابی زیادہ مدت تک باقی نہ رہ سکی۔ عوام مذہبی جوش سے بھڑک اٹھے۔ چنانچہ بادشاہ کو مجبور ہو کر از سر نو پرانے مذہب کی تجدید کا اعلان کرنا پڑا۔ اس بادشاہ کے انتقال کے بعد جب اسکا بیٹا تخت پر بیٹھا تو اس نے رومن کیتھولک فرقے کے لوگوں کو ملک سے نکال دیا۔ اور قبطی کلیسا کی بنیادوں کو پہلے کی طرح مضبوط کر دیا۔ اسوقت سے اب تک ابی سینیا کے باشندے عام طور پر اپنے قدیم مذہب پر قایم ہیں۔ لیکن بعد میں انہوں نے فتوحات کے ذریعہ بعض ایسے علاقے بھی اپنی سلطنت میں شامل کر لئے جن میں غیر عیسائی باشندے کثیر تعداد میں آباد تھے۔ چنانچہ ہرار اور جما کے علاقوں کے باشندے مسلمان ہیں۔ ڈاناکل کے باشندے بھی مسلمان ہی ہیں۔ بوران کے اروسی کے باشندے بت پرست ہیں اسی طرح شنکلا لوگ بھی بت پرست ہیں انکے سب سے بڑے دیوتا کا نام ورک باداکوی ہے فلاشا عام طور پر یہودی ہیں۔ شہنشاہ مینلیک نے عیسائیت کی تبلیغ و اشاعت کے لئے حد سے زیادہ سرگرمی کا اظہار کیا۔ چنانچہ اس نے جو علاقہ بھی فتح کیا اس کے باشندوں کو زبردستی عیسائیت قبول کرنے پر مجبور کیا۔ مگر جو لوگ اسطرح

پہلا باب

حبش کے جغرافئی حالات

محل وقوع اور وسعت

حبش شمال مشرقی افریقہ کا ایک مُلک ہے جو سمندر سے دور شمال میں ۵ اور ۱۵ درجے اور مشرق میں ۳۵ اور ۴۲ درجے کے مابین واقع ہے۔ اس کے شمال میں اریٹریا (اطالوی)، مغرب میں اینگلو ایجپشین سوڈان، جنوب میں برطانوی مشرقی افریقہ اور جنوب مشرقی گوشے اور مشرقی سمت وہ برطانوی، اطالوی اور فرانسیسی مقبوضات ہیں جو سمالی لینڈ ہیں اور بحیرۂ قلزم کے ساحل پر واقع ہیں وہ ساحلی زمین جو دولِ یورپ کے قبضے میں ہے ۴۰ میل سے لے کر ۲۵۰ تک وسعت رکھتی ہے۔ اس ملک کے حدودیوں تو سمندر سے دور ہیں لیکن صرف شمال مشرقی سرحد ایسی ہے جو بحیرۂ قلزم سے چار میل کے فاصلے پر ہے۔

یہ مُلک شمال میں بہت ہی کم وسعت رکھتا ہے یعنی شمال میں

عیسائی بنائے گئے ان مین عیسائیت کی اصلی روح پیدا نہ ہو سکی ابی سینیا مین جس قسم کی عیسائیت رائج ہے اسے مذہبی اصطلاح مین مونو فی سٹ کہتے ہین عیسائیت کی اس قسم مین حضرت عیسٰی مین ایک ہی قسم کی طبعی خصوصیت کو تسلیم کیا جاتا ہے۔ حالانکہ عام طور پر عیسائیون کا یہہ عقیدہ ہے کہ حضرت عیسٰی مین انسانی اور خدائی دونون قسم کی صفات موجود تھین۔ مسیحی علماء نے عرصہ دراز سے عیسائیت کی اس قسم کو کفر قرار دیدیا ہے۔ ابی سینیا کے عیسائی باشندون مین ایک مدت تک اسی مسئلہ پر بحث وتمحیص ہوتی رہی یہان تک کے شاہ تھیوڈورنے اس مسئلہ کے متعلق مختلف آراء جمع کر کے ایک قطعی فیصلہ کیا اور اپنے فیصلہ کو مقبول بنانے کے لئے جد وجہد شروع کردی۔

کلیسا کی حیثیت ابی سینیا مین کلیسا بالکل آزاد ہے۔ البتہ مصر کے قبطی کلیسا سے اس کا صرف اتنا تعلق ہے کہ اسقف اعظم کا تقرر ہمیشہ اسکندریہ سے کیا جاتا ہے جو شخص ابی سینیا کا اسقف اعظم مقرر ہوتا ہے اُسے لازماً ملک کے اندر رہنا پڑتا ہے نیز اسے ملک سے باہر جانے کی اجازت نہین ہوتی۔ روایت ہے کہ بیرونی ملک سے اسقف اعظم کے تقرر کا رواج ابی سینیا کے مشہور صوفی بزرگ تکلاہیم نات نے ڈالا تھا۔ اس اصول کی تہہ مین یہہ راز پوشیدہ تھا کہ اس طریقے سے ایک طرف ابی سینیا اور بیرونی دنیا مین تعلقات قایم رہینگے۔ اور دوسری طرف کلیسا کی قیادت کے باب مین ابی سینیا کے مذہبی رہنماؤن کے درمیان کوئی باہمی کشاکش پیدا نہ ہو سکے گی۔ اہل ابی سینیا اسقف اعظم کو ابونا کے نام سے پکارتے ہین۔ اُنکے نزدیک ابونا کا تقرر ایک نہایت اہم چیز ہے ابی سینیا مین شہنشاہ کے بعد سب سے بڑا آدمی ابونا کو سمجھا

جاتا ہے۔ یہہ عہدہ قاہرہ کے اسقف اعظم کے ماتحت ہے۔ ابونا ہمیشہ سے مصر کے قبطی کلیسا کا کوئی راہب ہوتا ہے۔

اسقف اعظم کے اختیارات۔ اسقف اعظم کو ابی سینیا کے حکمرانوں کو تاج پہنانے اور مذہبی سرداروں کو مقرر کرنے کے اختیارات حاصل ہیں۔ تمام بڑے اور اہم مذہبی اجتماعوں کی صدارت کے فرائض بھی وہی انجام دیتا ہے نیز حکومت کے کاروبار میں بھی اسکا بیحد اثر ہوتا ہے۔ دنیا کے تمام ممالک کے رومن کیتھولک عیسائیوں میں یہہ عام رواج ہے کہ جب اونکے بچوں کو بپتسمہ دیا جاتا ہے تو پادری اپنے ہاتھوں کے انگوٹھوں کو تھوک میں بھگو کر ان انگوٹھوں سے بچوں کے نتھنوں کو چھوتا ہے۔ ابی سینیا کے عیسائیوں میں اس سے ملتی جلتی یہہ رسم جاری ہے کہ اسقف اعظم لوگوں کو ہاتھہ سے چھو کر برکت دینے کے بجائے اُن پر تھوکا کرتا ہے اور اس کے معتقد یہہ سمجھتے ہیں کہ اس کے تھوک میں برکت بھری ہوئی ہے ملک میں عیسائیت کی آمد سے پیشتر جو مذہب رائج تھا اس کا اعلیٰ مذہبی سردار اعلیٰ پادری کہلاتا تھا۔ لیکن جب عیسائیت کا دور دورہ ہوا تو اسقف اعظم (ابونا) کے تقرر پر عمل شروع ہوا۔ رسم ورواج اور فقہ سے تعلق رکھنے والے تمام مسائل میں اسقف اعظم (ابونا) کو حکم قرار دیا گیا اور کلیسا کے اثاث اور جاگیر کی نگرانی کے اختیارات اعلیٰ پادری کو عطا کئے گئے۔ تیرہویں صدی عیسوی میں ایکے ہی کے نام کا ایک اور عہدہ دار مقرر کیا گیا۔ اور تینوں عہدہ داروں کے حقوق و فرائض علحدہ علحدہ مقرر کئے گئے۔

کلیسا کی دولت۔ ابی سینیا میں نہ صرف کلیسا کا بیحد اثر ہی ہے بلکہ کلیسا کی دولت بھی بے اندازہ ہے۔ ملک کی زمین کا تقریباً ایک تہائی حصہ کلیسا کی ملکیت

THIS EBOOK IS DOWNLOADED FROM
SHAAHISHAYARI.COM

LARGEST COLLECTION OF URDU
SHERS, GHAZALS, NAZMS AND EBOOKS.

مین شامل ہے۔ پورے ملک مین کلیساؤں کا جال بچھا ہوا ہے۔ اور جگہہ جگہہ خانقاہیں بنی ہوئی ہیں۔ ان کلیساؤں اور خانقاہوں کے اخراجات کے لئے بہت سی زمینیں وقف ہیں۔ ان زمینوں کے ذریعہ جو آمدنی ہوتی ہے وہ بیشمار راہبوں۔ پادریوں اور دوسرے مذہبی لوگوں کی پرورش اور رکھہ رکھاؤ پر صرف کی جاتی ہے۔ راہبوں کو شادی کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ لیکن پادری زندگی مین ایک شادی کر سکتے ہیں۔ پادری بننے کے لئے کوئی امتحان پاس کرنا ضروری نہیں ہوتا۔ بلکہ ایک مقررہ فیس ادا کرنے کے بعد جو دس شلنگ کے برابر ہوتی ہے ہر شخص پادری بن سکتا ہے۔

ابی سینیا میں مذہبی جماعت کو جو اقتدار حاصل ہے وہ ہر لحاظ سے قابل افسوس ہے۔ مذہبی جماعت کے اس ناجائز اقتدار کے جو اسباب بیان کئے جاتے ہیں ان میں قدیم رسم و رواج کے علاوہ اس جماعت کی سرمایہ دارانہ حیثیت کو بھی بہت کچھ دخل حاصل ہے۔ مزید برآن مذہبی لوگ قدیم زبان گییز سے بھی واقف ہیں۔ یہہ وہی زبان ہے جس میں قدیم قوانین اور دوسری قدیم کتابیں لکھی ہوئی ہیں۔ چونکہ مذہبی افراد پرانے قوانین سے واقف ہیں اس لئے انسے مدد لینا ججوں کے لئے ناگزیر ہوگیا ہے۔

ابی سینیا میں اس کثرت سے گرجا پائے جاتے ہیں کہ انکی مثال دنیا کے کسی اور ملک مین ملنا مشکل ہے۔ اسکا اندازہ اسی ایک امر سے کیا جا سکتا ہے کہ شوا میں تین ہزار۔ گوجام مین گیارہ سو اور گوندار و اقسوم کے اضلاع میں دو ہزار چھہ سو گرجا موجود ہیں۔ چھوٹے چھوٹے دیہات میں بھی دو۔ دو۔ تین تین گرجا پائے جاتے ہیں۔ عوام کا عقیدہ ہے کہ جس نے ایک گرجا بنایا اسکی نجات

ہو گئی۔

ایک ایک گرجا کیساتھ کئی کئی پادری ہوتے ہیں جو ان گرجاؤں کے احاطوں میں رہا کرتے ہیں۔ اہل ابی سینیا گرجاؤں کا بیحد احترام کرتے ہیں اکثر لوگ جب گرجا کے سامنے سے گذرتے ہیں تو وہ اپنی سواری سے اُتر کر زمین چومتے ہیں۔ عدیس ابابا میں سینٹ جارج کا گرجا واقع ہے اور یہہ ابی سینیا کا سب سے بڑا گرجا سمجھا جاتا ہے۔

مذہبی تقریبیں اور تہوار۔ اہل ابی سینیا کی مذہبی تقریبات میں روزہ۔ ضیافت اور جشن تین چیزیں شامل ہیں۔ اور ان میں سے ہر چیز بجائے خود ایک خاص حیثیت رکھتی ہے۔

سال کے تقریباً ایک سو پچاس دن روزے اور ضیافتوں میں گذر جاتے ہیں۔ روزے کے ایام میں یہہ لوگ گوشت۔ انڈے۔ دودھ اور مکھن سے پرہیز کرتے ہیں ایسٹر کے پہلے چالیس روز تک روزے رکھے جاتے ہیں۔ ضیافت کے ایام میں یہہ لوگ کوئی کام نہیں کرتے۔ ان کا سال نو یکم مسکارم کو ہوتا ہے اور یہہ دن ۱۱ ستمبر کو پڑتا ہے۔ اس روز عظیم الشان ضیافت ہوتی ہے۔ اور عام طور پر چھٹی منائی جاتی ہے۔ سال نو کی خوشی میں شہنشاہ اور ملکہ نہایت شان و شوکت سے سینٹ جارج کے گرجا میں آتے ہیں۔ ستمبر کے آخر میں ماسکال کی ضیافت ہوتی ہے۔ اس سلسلہ میں تین تقریبوں پر عمل کیا جاتا ہے۔ ۱۲؍ ستمبر کو پادریوں کا ناچ ہوتا ہے۔ ۲۷؍ ستمبر کو صلیب کا رقص ہوتا ہے۔ موخرالذکر رقص میں ہزاروں کی تعداد میں فوجی سوار شرکت کرتے ہیں ۲۸؍ ستمبر کو ایک پر تکلف ضیافت ہوتی ہے۔ جسے اہل ابی سینیا کی اصطلاح

ہیں گیبار کہا جاتا ہے۔ "صلیب کے رقص" کے دن ہر شخص رات کو اپنے گھر
میں کچھ نہ کچھ روشنی ضرور کرتا ہے ۔ ۱۸۔ ۱۹۔ اور ۲۰ جنوری کو ٹمکت
کا جشن منایا جاتا ہے۔ ٹمکت کے پہلے دن ایک عظیم الشان جلوس نکلتا
ہے۔ جلوس میں پادری راہب ۔ سردار ۔ سپاہی۔ علمبردار اور گویے
کثیر تعداد میں شریک ہوتے ہیں۔ لوگ راستے کے دونوں طرف جلوس
دیکھنے کے لئے جمع ہو جاتے ہیں۔ جلوس کیا سینٹ جارج کے گرجا سے
جوتا۔ بوٹ لایا جاتا ہے۔ اسے ایک خیمے میں رکھا جاتا ہے۔ اس خیمے کے
علاوہ دو خیمے اور ہوتے ہیں۔ آفتاب طلوع ہونے کے وقت تقریب
ادا کیجاتی ہے۔ صبح کے انتظار میں دریا کے ساحل پر ہزاروں آدمی رات
بھر جاگتے رہتے ہیں۔ صبح کے وقت باجے بجائے جاتے ہیں۔ باجوں کے
ساتھ ساتھ پادری انجیل کی آیتیں پڑھتے جاتے ہیں۔ اور دوسرے لوگ
اس موقع پر عود و لوبان جلاتے ہیں۔ ایک سنہری طشت میں بادشاہ کے
سامنے مقدس پانی لایا جاتا ہے۔ اور بہت سی رسموں کے بعد یہ پانی
بادشاہ پر چھڑکا جاتا ہے۔ اسی طرح دوسرے معززین کی بھی عزت افزائی
کیجاتی ہے۔ تقریب دیکھنے کے لئے جو لوگ جمع ہوتے ہیں ان پر بھی اس
پانی کے کچھ قطرے پھینکے جاتے ہیں۔ اسکے بعد کچھ آیتیں پڑھی جاتی ہیں اور
تقریب کا پہلا حصہ ختم ہوتا ہے۔ اب بادشاہ نہایت تزک و احتشام سے
جلوس کے ساتھ اصل میدان کی طرف آتا ہے جو شہر اور خارجی ممالک کی
سفارت خانوں کے بیچ میں واقع ہے۔ شاہی تخت کے دونوں طرف
زرق برق لباسوں میں ملبوس سیکڑوں درباری کھڑے نظر آتے ہیں۔

اور ٹھیک اونکے سامنے طویل جبّے پہنے ہوئے پادری دکھائی دیتے ہیں۔ کسی کے
ہاتھ مین نقرئی وطلائی صلیبیں ہوتی ہین اور کسی کے ہاتھ مین ہاتھی دانت کے
مٹھہ والے ڈنڈے ہوتے ہیں۔ غرض اس نظارہ کو دیکھ کر یہہ محسوس ہونے لگتا
ہے گویا ہم زمانہ قدیم کے کسی دربار مین موجود ہیں۔ اب پادریون کا ناچ شروع
ہوتا ہے پہلے پادری آہستہ آہستہ بھجن گاتے ہوئے رقص شروع کرتے ہیں اسکی
تھوڑی دیر بعد گھنٹی بجنی شروع ہوتی ہے۔ اور پھر نقارون پر چوب پڑتی ہے۔
اب تمام پادری رقص میں شریک ہوجاتے ہین۔ اونکے لہک لہک کر گانے
اور باجون کے شور سے کان پڑی آواز سنائی نہین دیتی۔ پھر رفتہ رفتہ
گانا اور بجانا دونون بند کردیئے جاتے ہین اب نقرئی جلدوں سے مزین
انجیلون سے آیتیں پڑھی جاتی ہیں اور آخر مین تمام باجے زور زور سے بجنے لگتے
ہین اور رقص شروع ہوجاتا ہے۔ ابی سینیا مین دنیا کے دوسرے ممالک سے
ہٹ کر ایک ہفتہ پہلے ایسٹر منایا جاتا ہے۔ ایسٹر سے پہلے چالیس روز تک
روزے رکھے جاتے ہین اور جب ایسٹر کو دو روز باقی رہ جاتے ہین تو لوگ
کھانا پینا بالکل چھوڑ دیتے ہیں۔ ایسٹر کی صبح سے پہلے کی شب کو لوگ خوب
خوشیاں مناتے ہیں اور خوب دعوتین اڑائی جاتی ہیں۔ دن کو بھی یہی عالم رہتا
ہے۔

بیرونی ممالک کے عیسائیوں سے تعلقات ابی سینیا والون کا ایک کلیسا روما
میں اور ایک خانقاہ بیت المقدس مین واقع ہے۔ سنہ ۱۹۰۶ء مین شہنشاہ مینیلک
نے ایک وفد پاپائے اعظم کی خدمت مین بھیجا تھا۔ اسی طرح سنہ ۱۹۲۱ء مین بھی
ایک وفد بھیجا گیا تھا۔ سنہ ۱۹۲۲ء مین کلیسائے ابی سینیا کے بعض قدیم حقوق

کی تشہیر کے لئے ایک وفد بیت المقدس بھیجا گیا تھا جب میں یہ حقوق قبطی قوم کو تفویض کر دیئے گئے۔ ابی سینیا کے عیسائیوں میں تبلیغ کا رواج نہیں ہے۔ انکی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ مذہبی مبلغوں نے مذہبی تبلیغ کے ساتھ بار بار سیاست میں دخل دینے کی کوشش کی۔ اسی وجہ سے ۱۶۳۳ء میں جیسوٹ فرقے کے عیسائیون کو ملک سے نکالدیا گیا۔ اور ۱۸۳۸ء میں پروٹسٹنٹ مبلغ ملک سے نکالے گئے شاہ تھیوڈور نے متعدد مبلغوں کو قید کر لیا اور ۱۸۶۳ء میں شاہ جان نے کئی عیسائی مبلغون کو ملک سے نکال دیا۔ شہنشاہ مینلک بھی مبلغون کو اچھی نظر سے نہین دیکھتا تھا۔ البتہ کئی سال سے ٹانگر مین ایک فرانسیسی مشن قایم ہے کچھ عرصے سے اور مشنریون کو مبلغ کا کام کرنے کی اجازت دیگئی ہے۔ اس سلسلہ مین امریکن مشنری خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ہرر مین بھی فرانسیسیون کا ایک مشن ہے۔ اور عدیس ابابا مین ایک خانقاہ ہے وہان سویڈن والون کو بھی ایک خانقاہ موجود ہے۔

مسلمانون کے متعلق یہان ہم کچھ نہ کہینگے۔ کیونکہ ایک دوسرے باب مین ان کے حالات تفصیل سے لکھے گئے ہیں۔

یہودی اور بت پرست۔ ابی سینیا میں یہودی اور بت پرست بھی آباد ہین۔ لیکن عیسائی اور مسلمان ان سے نہایت روادارانہ سلوک کرتے ہیں۔ یہودیون کے متعلق پورے ملک مین مشہور ہے کہ وہ جادوگر ہین لیکن اس کے باوجود وہ اپنے مذہبی فرائض کے ادا کرنے میں بالکل آزاد ہیں۔ انہین انکے فرائض کی بجا آوری سے کوئی نہین روکتا۔

توہمات۔ ہندوستان کی طرح ابی سینیا کے باشندوں میں

بھی بعض توہمات عام طور پر پائے جاتے ہیں۔ مثلاً یہہ کہ جب کوئی شخص کھانا کھاتا ہو تو اس کی طرف دیکھنا بہت برا سمجھا جاتا ہے۔ کیونکہ ان کا خیال ہے کہ اسطرح نظر لگ جاتی ہے۔ خاص خاص دنوں میں سفر کرنا بھی برا سمجھا جاتا ہے۔ اگر کسی مکان کے متعلق یہ شبہہ ہو جائے کہ اس میں بری روحیں رہتی ہیں۔ تو پھر لوگ اس قسم کے مکان میں رہنا پسند نہیں کرتے۔ ابی سینیا میں ایک خاص قسم کا درخت ہوتا ہے۔ عام باشندوں کا خیال ہے کہ اگر کوئی شخص بیمار پڑ جائے تو اس درخت پر بیمار کا نام لکھنے سے وہ اچھا ہو جاتا ہے لیکن یہہ اس قسم کے توہمات ہیں کہ دنیا کا کوئی ملک ان سے خالی نظر نہیں آتا۔ ایسی مثالیں یورپین ممالک میں بھی بکثرت پائی جاتی ہیں۔

عدالت۔ ابی سینیا میں معمولی مقدمات کا عام طور پر سر بازار فیصلہ ہوتا ہے۔ مثلاً یہہ کہ ایک آدمی نے کسی کا کچھ مال لے لیا ہے اور وہ مالک کو مال واپس نہیں کرتا۔ مدعی دوراہے پر کھڑے ہوئے پولس والے کے پاس آتا ہے اور اپنی شکایت بیان کرتا ہے۔ مدعی اور ملزم کا بیان سننے اور اگر ضرورت ہوئی تو گواہوں کے بیانات سننے کے بعد پولس والا اپنا فیصلہ سناتا ہے۔ فرض کیجئے کہ ایک شخص نے کسی کی چوری کی ہے۔ مدعی اور ملزم پولس والے کے سامنے پیش ہوئے۔ دونوں کے بیانات سنکر پولس والا اس نتیجہ پر پہونچا کہ ملزم نے واقعی چوری کی ہے۔ پولس والے نے ملزم کو سزا دی۔ فوراً ہتکڑی طلب کی گئی۔ ہتکڑی کا ایک طرف کا حلقہ چور کے ہاتھ میں ڈالدیا گیا اور دوسرا حلقہ مدعی کے ہاتھ میں ڈالکر ملزم کو مدعی کے حوالے کر دیا گیا۔ اور مدعی کو اجازت دی گئی کہ وہ نقدی کی صورت یا کام کرا کے

ملزم سے اپنی رقم وصول کرلے۔

عدیس ابابا میں اس قسم کے مقدمات روزانہ سیکڑوں کی تعداد میں ہوتے رہتے ہیں۔ شہر میں ایسی کئی جھونپڑیاں بنی ہوئی ہیں جن میں مقدمہ کرنے کے لئے جج بیٹھے نظر آتے ہیں۔ مقدمہ دائر کرنے والے کو بطور فیس دو ٹالر (ایک قسم کا سکہ) ادا کرنے پڑتے ہیں۔

وزارت عدل میں زیادہ اہم مقدموں کے فیصلے ہوتے ہیں۔ یہاں متعدد جج بیٹھے نظر آتے ہیں۔ وزارت عدل میں جو مقدمات کئے جاتے ہیں انکی فیس فی فیصلہ تین ٹالر کے حساب سے لی جاتی ہے۔

وزیر عدل کی عدالت میں اپیل دائر کیا جاتا ہے۔ وزیر عدل بادشاہ کے نام پر تمام اپیلوں کا فیصلہ کرتا ہے۔ اپیل کی آخری عدالت قصر شاہی ہے۔ جو شہنشاہ کی عدالت ہے اس عدالت کا فیصلہ آخری و قطعی ہوتا ہے۔ یہ عدالت ابی سینیا والوں کی اصطلاح میں شیلیٹ (خونی عدالت) کہلاتی ہے۔ اگر کسی وجہ سے بادشاہ عدالت میں موجود نہ ہو تو مقدمہ کا فیصلہ وزیر عدل کرتا ہے۔ مجرموں کو خطرناک جرایم کی پاداش میں عبرت انگیز سزائیں دیجاتی ہیں۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ ابی سینیا میں قید کی سزا کا بہت کم رواج ہے۔ صرف سنگین مقدمات میں مجرموں کو قید کی سزا دی جاتی ہے یہاں کے قید خانہ کی صورت یہ ہے کہ خاردار جنگلے سے ایک قطعہ زمین گھیر دیا جاتا ہے۔ حکومت کی طرف سے قیدیوں کو خوراک بہم نہیں پہونچائی جاتی۔ بلکہ دوست اور رشتہ دار انکے کھانے پینے کا بندوبست کرتے ہیں موت کی سزا بھی قید خانہ کے پاس ہی دیجاتی ہے۔ مجرم کو ایک الماری نما

مشرق سے مغرب تک کل ۲۳۰ میل وسیع ہے، البتہ جنوب میں یہ وسیع تر ہوتا گیا ہے، یہاں تک کہ ۹ درجے شمالی خط پر پہنچ کر ۹۰۰ میل وسیع ہو گیا ہے اور شکل میں ایک مثلث بن گیا ہے جس کا راس شمال کی طرف ہے۔

قدرتی تقسیم

حبش کی قدرتی تقسیم اس طرح کی جا سکتی ہے :-

(الف) خاص حبش، جس میں ٹگرے، امہرا، گوجم وغیرہ شامل ہیں۔

(ب) شوا، کفا اور گلا (جغرافیائی حیثیت سے تینوں ایک ہیں)

(ج) وسطی سمالی لینڈ مع ہرر۔

(د) جنوب مغربی حبش، جس میں دریائے نیل کی معاون ندی سوبت کے نشیبستان کا ایک حصہ بھی داخل ہے

رقبہ

ریاست کا کل رقبہ ساڑھے تین لاکھ مربع میل ہے، جس کے تیسرے حصے پر حبش سے متعلق سمالی لینڈ پھیلا ہوا ہے۔

سطح

اس ملک میں سطوح مرتفعہ، بلند پہاڑوں، جھیلوں اور

صندوق میں جو تین طرف سے بند اور صرف سامنے کی طرف کھلا ہوتا ہے کھڑا کیا جاتا ہے۔ اور پستول کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ مجرم کی لاش باہر نکال لی جاتی ہے۔ اور اسکی جگہہ سزائے موت پانے والے دوسرے مجرم کو کھڑا کر کے اُسے گولی ماری جاتی ہے۔ شہنشاہ سلاسی نے سزائے موت کو بند کر دیا تھا۔ لیکن سزائے موت بند کرنے سے جرائم کی تعداد میں اسقدر اضافہ ہو گیا کہ از سر نو یہ سزا جاری کرنی پڑی۔ ابی سینیا کے حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ وہاں عدل و انصاف کا جو طریقہ رائج ہے وہ وہاں کے حالات کے عین مطابق ہے۔

معاشرت۔ ابی سینیا والوں کا من بھاتا کھاجا کچا گوشت ہے۔ کچے گوشت میں بھی بکرے اور بھیڑ کے گوشت سے گائے کے گوشت کو زیادہ پسند کیا جاتا ہے۔ مشہور ہے کہ یہاں کے لوگ زمانہ قدیم میں زندہ جانور کا گوشت نہایت رغبت سے کھاتے تھے۔ بروس نے اسکی دو مثالیں بھی پیش کی ہیں۔ اسکا بیان ہے کہ ایک مرتبہ دو سپاہی ایک گائے کو بھگا رہے تھے۔ انہوں نے ایک خاص مقام پر پہونچکر اسے پکڑ لیا اور پچھاڑ کر باندھنے کے بعد اس کے جسم سے گوشت نکال نکال کر کھانا شروع کیا۔ اسی طرح اس نے ایک اور واقعہ بیان کیا ہے کہ ایک جلسہ ضیافت میں ایک گائے لائی گئی اور حاضرین اس زندہ گائے کے جسم سے گوشت نکال نکال کر کھانے لگے۔ بہت ممکن ہے کہ اس زمانہ میں لوگ زندہ جانور کا گوشت کھاتے ہوں لیکن دور حاضر میں ایسی کوئی مثال نہیں ملتی۔ رہا کچے گوشت کھانے کا معاملہ تو آج بھی یورپ کی شائستہ و متمدن اقوام کے لوگ ٹن کے ڈبوں میں

بند کئے ہوئے کچے گوشت کو جو کیمیاوی تراکیب سے گلایا جاتا ہے نہایت مزے لے لے کر کھاتے ہیں۔ مسلمان اور عیسائی اپنے اپنے مذہب کے مطابق جانوروں کو حلال کر کے انکا گوشت پکاتے اور کھاتے ہیں۔ چونکہ ابی سینیا میں گوشت بہت مہنگا ملتا ہے اس لئے ہر شخص کے لئے روزانہ گوشت خرید کر کھانا نہایت دشوار ہے۔ چنانچہ باشندگان ابی سینیا کی عام غذا روٹی ہے۔ روٹی گندم جوار اور باجرہ وغیرہ مختلف قسم کے غلوں سے بنائی جاتی ہے ان میں سے جوار کی روٹی عام طور پر تمام اہل ابی سینیا کو مرغوب ہے۔ اس روٹی کو زیادہ تر مکھن اور مربے کے ساتھ کھاتے ہیں۔ اور غربا مسور اور مٹر کے بھرتے اور چٹنی کے ساتھ کھایا کرتے ہیں۔ یہاں کے لوگ مرچیں بھی کثرت سے استعمال کرتے ہیں۔ ابی سینیا میں ایک شربت کا بھی عام رواج ہے۔ یہ شربت تقریباً ہر ایک خاندان میں تیار کیا جاتا ہے۔ یہاں کی زبان میں اسے تیج کہتے ہیں۔ ضیافتوں کے ایام میں لوگ اسے کثرت سے پیتے ہیں اس کے زیادہ پینے سے نشہ بھی ہو جاتا ہے۔ تالا اور اراکی کے نام سے دو اور پینے کی چیزیں بنائی جاتی ہیں۔ ان میں سے اول الذکر ایک قسم کی بیئر ہے اور موخرالذکر ایک قسم کی تیز شراب۔ بعض یونانی تاجر عدیس ابابا میں ولایتی شراب بھی کشید کرتے ہیں۔ ابی سینیا میں خواص و عوام دونوں عام طور پر ہاتھ سے کھانا کھاتے ہیں۔ ان میں کانٹے اور چھری سے کھانا کھانے کا رواج بالکل نہیں ہے۔

تمباکو نوشی۔ ابی سینیا میں تمباکو نوشی کا رواج بہت کم ہے۔ بہت کم ایسے لوگ نظر آتے ہیں جو تمباکو کا استعمال کرتے ہیں۔ یہ بھی وہ لوگ

ہیں جو یا تو خود یورپ ہو آئے ہیں یا جنہوں نے اہل یورپ سے تمباکو نوشی کی عادت سیکھی ہے۔ گالا با شندے ایک قسم کا تمباکو پیدا کرتے ہیں۔ لیکن یہ تمباکو بہت معمولی قسم کا ہوتا ہے۔ شہنشاہ تھیوڈور کے جانشین شہنشاہ جونیر نے تمباکو نوشی کے انسداد کے لئے سخت سزائیں تجویز کی تھیں مثلاً یہ کہ مجرم کے لب کاٹ لئے جائیں یا ناک تراش لی جائے۔ غرض ابی سینیا میں تمباکو نوشی بڑی حد تک معدوم ہے۔

لباس۔ ابی سینیا کے لوگ اپنا قومی لباس پہننا اپنے لئے باعث فخر سمجھتے ہیں۔ شہنشاہ خود قومی لباس پہننے کے حامی ہیں۔ چنانچہ تمام شاہی تقریبوں میں درباری اور دوسرے معززین قومی لباس ہی پہنا کرتے ہیں قصر شاہی کے تمام ارکان بھی یہی لباس استعمال کرتے ہیں۔ تقریباً ہر ایک طبقے کی عورتیں اور مرد چامہ اوڑھا کرتے ہیں۔ چامہ کی خوبصورتی و نوعیت سے پہننے والے کے مقام و مرتبہ کا بخوبی اندازہ لگایا جاتا ہے۔ شہزادے شہزادیاں امرا اور اعلیٰ مذہبی سردار اسی قسم کا چامہ استعمال کرتے ہیں۔ معمولی قسم کا چامہ بھی ہاتھ ہی سے بنایا جاتا ہے۔ مگر یہ باہر سے آئی ہوئی روئی سے تیار کیا جاتا ہے جن لوگوں میں قیمتی شال خریدنے کی استطاعت نہیں ہوتی وہ سوتی چادر ہی سے "چامے" کا کام لے لیا کرتے ہیں۔ چامہ بڑی حد تک عربی چوغے سے مشابہت رکھتا ہے۔ وہ شانوں پر ڈالا جاتا ہے۔ اور اس کے بعد اس سے سر ڈھانپ لیا جاتا ہے۔ اس سے چہرہ بھی ڈھنک جاتا ہے۔ صرف ناک کے نتھنے، رخسار، منہ اور آنکھیں کھلی رہتی ہیں۔ اگر کوئی شخص چامہ پہنے ہوئے جا رہا ہو اور سامنے سے کوئی معزز آدمی یا دوست گذرتا ہو تو چامہ چہرے سے اتار لیا جاتا ہے

حبشی مردوں، اور عورتوں کے لباس میں بہت تھوڑا سا فرق ہوتا ہے۔ مرد اور عورت دونوں گلے سے گھٹنے تک لمبا کرتہ اور ایک پاجامہ پہنتے ہیں۔ پاجامے کی مہریاں گھٹنے سے ٹخنے تک تنگ ہوتی ہیں۔ عام طور پر کرتے اور پاجامے سوتی کپڑے کے بنائے جاتے ہیں۔ لیکن عورتوں کے کرتے نسبتاً مردوں کے کرتوں سے زیادہ لمبے ہوتے ہیں۔ عورتوں کی قمیصوں کے گلے اور آستینوں کے کناروں میں حسب حیثیت باریک سوتی یا ریشمی لیس لگی ہوتی ہے۔ یہ لیس زنانہ پاجاموں کے کناروں میں بھی لگائی جاتی ہے۔ زنانہ پائجاموں میں زیادہ تر گھٹنے سے لیکر ٹخنے تک چاندی یا سونے کے بٹن لگے ہوتے ہیں۔ بہت سے حبشی سر پر ایک کپڑا لپیٹا کرتے ہیں۔ عام طور پر یہ کپڑا سفید ململ کا ہوتا ہے۔ اکا دکا شخص گھانس کا بنا ہوا ہیٹ پہنے نظر آتا ہے۔ یہ ہیٹ ابی سینیا میں بنایا جاتا ہے۔ بعض بعض لوگ فیض کے قسم کی ایک ٹوپی اوڑھا کرتے ہیں۔ اس ٹوپی میں پھندنا لگا ہوتا ہے۔ یورپ کے بنے ہوئے سیاہ یا بھورے رنگ کے ہیٹ اعلیٰ ترین طبقے کے لوگوں میں مقبول ہیں۔ لیکن یورپین لباس کو ابتک ابی سینیا میں کوئی مقبولیت حاصل نہ ہوسکی۔ البتہ عدیس ابابا اور بعض دوسرے شہروں میں کچھ ایسے لوگ جو یورپ کی سیر کر آئے ہیں۔ یورپین لباس میں ملبوس نظر آتے ہیں۔ عورتیں اور مرد اکثر سیاہ رنگ کے ساٹن کا ایک لبادہ گلے میں ڈالتے ہیں۔ موسم برشگال میں بارش سے بچنے کے لئے عورت اور مرد سب کے سب ایک قسم کی ٹوپی اوڑھتے ہیں۔ جسے یہاں کی اصطلاح میں برنوس کہا جاتا ہے۔ یہ ٹوپی ایک قسم کا ماتمی نشان بھی ہے۔ چنانچہ اس مقصد کیلئے

اسے تمام طبقوں میں یکساں استعمال کیا جاتا ہے۔ ادنی طبقہ کے لوگوں میں یہہ رسم بھی عام ہے۔ کہ جب اُنکا کوئی عزیز مر جائے تو وہ اپنے کپڑے نہیں دھلاتے بلکہ میلے کپڑے پہنے رہتے ہیں۔ خاص خاص تقریبوں کے موقعوں پر امرا، اور اعلیٰ مذہبی سردار بڑی بڑی رنگین اور شاندار چھتریاں استعمال کرتے ہیں۔ اسی طرح تقریباً ہر ایک موسم میں عورتیں اور مرد گھاس کی بنی ہوئی چھوٹی چھوٹی خوبصورت چھتریاں اوڑھتے ہیں۔ مرد کارتوس رکھنے کی ایک پیٹی بھی لگایا کرتے ہیں۔ یہہ پیٹی مختلف رنگوں اور مختلف نمونوں کی ہوتی ہے۔ عورتیں بھی ایک پیٹی لگاتی ہیں۔ وہ اپنی پیٹی میں کنجیاں بالوں میں لگانے کی کنگھیاں اور چاندی کے زیورات وغیرہ لٹکاتی ہیں۔ ضیافت کے ایام میں امرا، اور دوسرے روساء سوتی قمیصوں کے بجائے ریشم اور دوسرے قیمتی کپڑوں کی قمیصیں پہنتے ہیں۔ ایسے لوگ جنہوں نے جنگ یا کسی اور موقعہ پر کوئی نمایاں خدمت انجام دی ہو۔ مخمل۔ شیر یا سیاہ چیتے کی ایال کی ایک شاندار پوشاک بھی پہنا کرتے ہیں۔ جب "راس" اپنے پورے لباس میں ملبوس ہوتا ہے تو وہ سر پر مخملی ٹوپی اوڑھتا ہے اور گلے میں شیر کی ایال ڈالتا ہے۔ ایال میں نہایت خوشنما سنہری و نقرئی کام ہوتا ہے۔ راس کے پاس ایک بڑی شاندار تلوار بھی رہتی ہے یہہ تلوار چاندی کے کام کی مخملی نیام میں ہوتی ہے۔ ہر ایک عیسائی باشندے کے لباس کے ساتھ ایک ریشمی ڈور لگی ہوتی ہے۔ اور اس ڈور میں ایک تعویذ لٹکتا رہتا ہے۔ عورتیں ہار۔ بالی۔ انگوٹھی۔ پازیب وغیرہ زیورات پہنا کرتی ہیں۔ اور وہ یا تو گھونگر والے گیسو رکھتی ہیں یا زلفیں

اکثر عورتیں زلفوں کو پیچھے کی طرف لے جاکر گردن پر جوڑا باندھتی ہیں۔ بعض بعض عورتیں تھوڑے سے بالوں کو گوندھ کر اور انکی لٹ بنا کر انہیں اپنے شانوں پر ڈال لیتی ہیں۔ ادنی طبقوں میں مرد اور عورت دونوں سر منڈاتے ہیں۔ ان لوگوں میں سر منڈانے کا طریقہ بھی کچھ عجیب سا ہے۔ وہ مرد یا عورت جنکے بال بڑھے ہوئے ہوں آمنے سامنے بیٹھ جاتے ہیں۔ ایک کے ہاتھ میں شیشے کا ایک تیز ٹکڑا ہوتا ہے۔ وہ اس سے اپنے سامنے والے کا سر مونڈتا ہے۔ عام قاعدے کے مطابق بچے بھی بالعموم سر منڈاتے ہیں۔ بچوں کی چاند پر بالوں کا صرف ایک گچھا چھوڑ دیا جاتا ہے۔ یا یہ ہوتا ہے کہ پورا مونڈا جاتا ہے اور گردن کے نچلے حصہ سے لیکر پیشانی تک بالوں کی ایک جھالر سی چھوڑ دی جاتی ہے۔ لوگ تیل کے بجائے اپنے سروں پر مکھن لگانے کے عادی ہیں۔ ملک کے بعض حصوں میں عورتیں بالوں کی حفاظت کے لئے سونے کے وقت ایک قسم کا لکڑی کا تکیہ استعمال کرتی ہیں۔ دولتمند طبقہ کی عورتیں عطر اور بالخصوص خوشبودار تیلوں کی بڑی شوقین ہیں۔ وہ تیز خوشبو والے عطر اور تیلوں کو بہت پسند کرتی ہیں۔ خواہ یہ عطر اور تیل کتنے ہی معمولی قسم کے کیوں نہ ہوں۔ عدیس ابابا میں ایسی دکانیں کئی موجود ہیں جن میں یورپ سے آیا ہوا معمولی قسم کا خوشبودار صابن بڑی بڑی قیمتوں پر بکتا ہے۔ اکثر لوگ اپنی ناک کے دونوں نتھنوں کو پھول کی پنکھڑیوں یا سبز پتیوں سے بند کر لیتے ہیں۔

اہل ابی سینیا کو بہادرانہ کھیل اور جشنوں میں بڑا لطف آتا ہے۔ لیکن انکے ہاں تفریح کے سامان گنتی کے ہیں۔ وہ آپس میں بیٹھ کر گفتگو کرنے کو تفریح کے اور سامان پر ترجیح دیتے ہیں۔ کم و بیش تمام حبشی گھوڑے کی سواری سے واقف ہیں لیکن جنگ یا خاص تقریبوں کے سوائے یہ لوگ بہت کم موقعوں پر

گھوڑے پر سوار ہوتے ہیں۔ ورنہ روزانہ استعمال کے لئے خچر کام میں لایا جاتا ہے۔ گھوڑوں اور خچروں کی زین لکڑی کی ہوتی ہے۔ زین کے آگے اور پیچھے کے کنارے اوپر کی طرف اٹھے ہوئے ہوتے ہیں۔ درمیانی حصے پر بھیڑ کی کھال یا گدی ڈالدی جاتی ہے۔ اور پھر اس پر ایک جھول بچھائی جاتی ہے۔ رکاب گول اور اتنی چھوٹی ہوتی ہے کہ سوار اس میں اپنے پاؤں کے انگوٹھے ہی رکھہ سکتا ہے۔ گھوڑے کے منہ میں تیز اور دندانہ دار دہانہ لگایا جاتا ہے۔ گھوڑوں اور خچروں کو رنگ برنگ کے ساز و سامان سے سجایا جاتا ہے۔ کبھی کبھی تو اسقدر ساز و سامان ہوتا ہے کہ گھوڑے اور خچروں کا پورا جسم ان سے ڈھک جاتا ہے۔ اور منھہ۔ دم اور ٹانگوں کے سوا جسم کا اور کوئی حصہ نظر ہی نہیں آتا۔ یہہ ساز و سامان رنگدار دیسی چمڑے سے تیار کیا جاتا ہے۔ اور اس پر طرح طرح کے زیورات جڑے جاتے ہیں۔ خاص خاص موقعوں پر اعلیٰ عہدہ دار اور معزز لوگ اپنے خچروں کو ریشم اور مخمل کے قیمتی کپڑوں سے سجاتے ہیں۔ اور ان کپڑوں میں نقرئی زیورات ٹانکے ہیں۔ سوار خود اعلیٰ ترین تلواریں باندھتے ہیں۔ اور ڈھال لگاتے ہیں ایسے موقعوں پر تلوار گینڈے کی نیام میں رکھی جاتی ہے۔ اور نیام پر مخمل منڈھا جاتا ہے۔

رہن سہن امراء کے مکانات زیادہ تر پتھر کے ہوتے ہیں۔ ان پر جو چھت لگائی جاتی ہے وہ پٹے ہوئے لوہے کی ہوتی ہے یا پھوس کی۔ کہیں کہیں دو منزلہ مکان بھی دکھائی دیتے ہیں۔ لیکن ایسے مکان شاذ و نادر ہی بنائے جاتے ہیں۔ عام طور پر اعلیٰ طبقے کے لوگ ایک وسیع خطۂ زمین کے بیچ میں مکان بناتے ہیں۔ مکان کے چاروں طرف کھلی ہوئی زمین

چھوڑ دیجاتی ہے۔ اور پھر ایک چار دیواری کھینچی جاتی ہے۔ بعض بعض سرداہ
اور روسا اتبک پرانے قسم کے مکانون مین زندگی بسر کرتے ہیں۔ یہہ مکان
یہان کی اصطلاح مین نکل کے نام سے مشہور ہین۔ ہندوستان نقطۂ نظر سے
ان مکانون کو ایک طرح کی بڑی جھونپڑی کہنا زیادہ مناسب ہے۔ غربا
کی "نکل" کی دیوارین لکڑی کی ہوتی ہین۔ ان مین اندر اور باہر کی طرف سے
مٹی لگائی جاتی ہے۔ چھت عام طور پر لکڑی یا بید کی بنائی جاتی ہے۔ اور
یہہ دیوار سے دو یا تین فٹ اونچی ہوتی ہے۔ اور اوپر کی طرف سے نیچے
کی طرف جھکی ہوتی ہے۔ چنانچہ خواہ کتنے ہی زور کی بارش ہو پانی کبھی مکان
مین نہین آسکتا۔ اندر ایک حصہ گھر والون کے سونے کے کمرے کا کام دیتا ہے
اس حصہ مین ایک چبوترہ سا بنا ہوتا ہے۔ چبوترے پر لکڑی یا گھانس کے
بستر ہوتے ہین۔ ان بسترونکو عام طور پر چمڑے سے ڈہانکا جاتا ہے۔ جھونپڑی
کا بقیہ حصہ کہانا پکانے اور رہنے سہنے کے کام آتا ہے۔ برسات کے زمانہ مین جھونپڑی
کے اندر ہی کپڑے بنے جاتے ہین۔ لیکن جب برسات نہین ہوتی تو زیادہ تر باہر
ہی کام کیا جاتا ہے۔ ایک یا دو معمولی اسٹولون کے سوا ان جھونپڑیون مین
اور کوئی فرنیچر نہیں ہوتا۔ اکثر جھونپڑیون مین ایک یا دو صندوق ہوتے ہیں۔
ان مین قیمتی سامان رکہا جاتا ہے۔ اور تالا لگا دیا جاتا ہے۔ دوسرا سامان یا تو
کہونٹیون پر لٹکایا جاتا ہے یا دیوارون میں بنے ہوئے طاقون مین رکہا جاتا
ہے۔ لوگ ملک ہی کی بنی ہوئی قدیم وضع کی رکابیون، تشتریون اور پیالون
مین کہانا کہاتے ہین۔ یہہ چیزین سنگ سے بنائی جاتی ہین۔ لیکن عدیس ابابا
کے اکثر گھرون مین غیر ممالک کے بنے ہوئے برتنون کا عام رواج ہے۔ دیہاتی

کسانوں کی جھونپڑیوں میں مشکل کوئی علیحدہ کمرہ ہوتا ہے۔ ورنہ مرد۔ عورت بچے، فچر، اور گھوڑے سب ایک ہی کمرے میں رات بسر کرتے ہیں۔

زبان۔ ملک میں تقریباً ستر زبانیں اور دو سو بولیاں بولی جاتی ہیں۔ لیکن امہری زبان ملک کی قومی زبان کی حیثیت رکھتی ہے۔ امہری کے بعد گالا کا نمبر آتا ہے۔ اس زبان کی مختلف شاخیں ان تمام اضلاع میں بولی جاتی ہیں۔ اور سمجھی جاتی ہیں۔ جن میں گالا باشندے آباد ہیں۔ اسیطرح اریتریا میں ٹاگرا اور صوبہ ٹاگری میں تیگری زبان بولی جاتی ہے۔ قدیمی گیز زبان بھی ابی سینیا میں سمجھی جاتی ہے۔ یہاں اس زبان کی وہی حیثیت ہے جو عہد وسطی کے انگریز باشندوں میں لاطینی کی تھی۔ عرب اور مصری باشندوں کی عام زبان عربی ہے۔

ازدواجی تعلقات۔ چونکہ لوگ زیادہ تر عیسائی ہیں اس لئے ان میں ایک مرتبہ میں ایک ہی عورت رکھنے کا رواج ہے لیکن قبائل کے رواج کے مطابق مشترکہ بیویاں بھی ہوتی ہیں۔ اس طرح گویا ایک شخص کا یکے بعد دیگرے کئی عورتوں سے تعلق ہوتا ہے اور قدرتی طور پر ان عورتوں کے کئی مرد ہوتے ہیں۔ چونکہ گالا باشندے عیسائی نہیں ہیں اس لئے وہ ایک وقت میں دو تین یا اس سے بھی زیادہ عورتیں رکھتے ہیں۔ حبشیوں میں شادی کرنے کے تین طریقے رائج ہیں۔ پہلا طریقہ تو یہ ہے کہ مرد کسی عورت کو تلاش کر لیتا ہے اور مرد و عورت باہمی رضامندی سے ایک ساتھ رہنے لگتے ہیں۔ اس قسم کی شادی میں کوئی رسم نہیں ہوتی صرف عورت کی رضامندی کافی سمجھی جاتی ہے۔ مرد عورت کو کچھ رقم دیتا ہے۔ اگر

رہنے کے لئے ایک مکان تجویز کرتا ہے۔ اور اسکی زندگی کی ضروریات پوری کرتا رہتا ہے۔ جب مرد یا عورت میں سے کوئی علحدہ ہونا چاہتا ہے تو وہ نہایت آسانی سے علحدگی اختیار کر سکتا ہے۔ دوسری قسم کی شادی اصل میں رسمی شادی ہوتی ہے۔ یہہ شادی "سستم" یعنی چودھری کے سامنے ایک معاہدے کے ذریعہ ہوتی ہے۔ دولہا اور دولہن دونوں کی جائداد دون کا جائزہ لیکر اس امر کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ کہ اگر کسی وجہہ سے دونوں کے درمیان علحدگی ہوئی تو کسی فریق کو کتنا حصہ ملیگا۔ طلاق کی صورت میں عام طور پر دونوں کو متحدہ جائداد کا آدھا آدھا حصہ برابر برابر بانٹ دیا جاتا ہے۔ مثلاً یہہ کہ اگر کہانا پکانے کا صرف ایک برتن ہے تو اس میں سے آدھا ایک فریق کو دیا جائے گا اور آدھا دوسرے فریق کو۔ شادی کا تیسرا طریقہ یہہ ہے کہ جب کوئی عورت طلاق لیکر شوہر سے علحدگی اختیار کرتی ہے اور راہبانہ زندگی اختیار کرنے پر تیار نہیں ہوتی تو وہ مذہبی طریقے سے شادی رچاتی ہے مذہبی طریقے کے مطابق شادی کرنے کا طریقہ بالعموم حبشیوں کے اعلیٰ طبقوں میں مروج ہے۔ اعلیٰ طبقوں میں طلاق کا بہت کم رواج ہے۔ لیکن اگر شوہر بیوی سے بدسلوکی کرے تو بیوی کو کلیسا میں اپیل کر کے شوہر سے علحدہ ہو جانے کا پورا پورا حق حاصل ہے۔ یہہ امر خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ افریقہ کے دوسرے علاقوں کے بہ نسبت ابی سینیا میں عورت کا مقام زیادہ بلند سمجھا جاتا ہے یہاں افریقہ کے دوسرے حصوں کی طرح نہ تو عام طور پر عورتوں کو روٹی کمانے کے لئے کوئی کام کرنا پڑتا ہے۔ نہ انہیں گھر کا کہانا پکانا پڑتا ہے۔ اور نہ مردوں کے کپڑے دہونا پڑتے ہیں۔ غریب سے غریب گھر میں ہی بہت کم ایسا ہوتا ہے

گہری وادیوں کا عجیب و غریب مجمع ہے۔ بالائی نیل کی وادی اور اس نشیبستان کے درمیان جو بحیرۂ قلزم اور خلیج عدن کے جنوب مغربی سواحل پر واقع ہے، سطوح مرتفعہ کا ایک طبقہ ہے جہاں سے کئی پہاڑی سلسلے شروع ہوتے ہیں۔ ان سطوح مرتفعہ اور پہاڑوں سے مل کر حبش، شوا، کفا اور گلا لینڈ بنتے ہیں۔ یہ سطوح مرتفعہ میدانی علاقوں سے ہر طرف سے کافی بلند ہیں، البتہ ان کی بلندی میں تسلسل اور یکسانیت نہیں ہے۔ پہاڑی سلسلوں کے بیرونی حصے بھی ان سطوح مرتفعہ میں مل جاتے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ حبش کا مرتفع علاقہ ایک کوہستانی طبقہ ہے۔

راس کسار (۱۸ درجے شمال) سے لے کر خلیج انگلیسلے (۱۵ درجے شمال) تک سطح مرتفع کی مغربی دیوار بحیرۂ قلزم کے متوازی چلی گئی ہے۔ اس کے بعد وہ راست مغرب کی طرف مڑتی ہے اور ۴۰ درجے مشرقی خط کے ساتھ ساتھ کوئی چار سو میل تک چلی جاتی ہے۔ شمال میں ۹ درجے کے قریب سطح مرتفع کی دیواریں ایک رخنہ ہے جس میں سے دریائے ہواش نکل کر مشرق کی طرف بہتا ہے۔ یہاں پہنچ کر بڑے پہاڑوں کا سلسلہ جنوب مغرب کی طرف مڑتا ہے، اور دریائے ہواش کی وادی کے جنوب میں جو پہاڑوں سے کوئی تین ہزار فٹ نشیب میں ہے ایک دوسرا سلسلۂ کوہ شروع ہوتا ہے۔ یہ دوسرا سلسلہ (جس کو ہررگی پہاڑیاں کہنا چاہیے) خلیج عدن کی مشرقی جانب جاتا ہے۔ پہاڑوں کے یہ دونوں مشرقی سلسلے

کہ بیوی کو اس قسم کی کوئی خدمت انجام دینی پڑتی ہو تقریباً ہر ایک گھر
مین ان خدمات کو انجام دینے کے لئے ایک یا ایک سے زیادہ نوکر ہوتے
ہیں۔ جب اعلیٰ طبقون کی خواتین باہر نکلتی ہیں تو انکے منہ پر نقاب پڑا
ہوتا ہے۔ اور انکا پورا جسم کپڑے سے ڈھکا ہوتا ہے۔ خچر پر سوار ہوتی
ہیں اور انکے مرتبہ کے مطابق انکے جلو مین یا پیادہ خدام ہوتے ہیں۔

جنتری۔ اہل ابی سینیا کا سال ۱۳ مہینون کا ہوتا ہے ۱۲ مہینے
تیس تیس دن کے ہوتے ہیں۔ اور تیرہوان مہینہ ۵ روز کا ہوتا ہے
اس مہینے کو کوامی یا پامی کہتے ہیں۔ جب سال ختم ہوتا ہے تو چھٹوان
دن پامی میں جوڑ دیا جاتا ہے۔ اہل ابی سینیا کا سال یکم سکارم سے
شروع ہوتا ہے۔ ماہ سکارم کا انگریزی جنتری کے حساب سے ۱۱ ستمبر
سے آغاز ہوتا ہے۔

باب چہارم

حبش کا دور حاضر

کئی اہل نظر نے شہنشاہ حبش ہائل سلاسی اور امان اللہ خان کے ذاتی میلانات اور ملکی مشکلات کی مشابہت کا ذکر کیا ہے۔ غور سے دیکھا جائے تو یہ مقابلہ بعید از قیاس نہیں ہے۔ یہہ دونوں حکمران اپنی اپنی جگہہ پر روشن خیال تھے اور اپنے ملکوں کو رجعت اور تاریکی کے گڑھوں سے نکال کر شاہراہ ترقی پر چلانا چاہتے تھے۔ کم و بیش دونوں کو ایک سی دقتوں کا سامنا کرنا اور ناموافق ماحول میں کام کرنا پڑا۔ ایک اپنے مقصد میں ناکام رہا جس کے اسباب بیشتر اندرونی تھے دوسرا بھی ناسازگار عناصر کا مقابلہ کر رہا ہے جو بظاہر بیرونی ہیں۔

حبش کا نظام زندگی ہنوز اس منزل پر ہے جب سماج اپنی قبائیلی آوارہ گردی کو چھوڑ کر کاشت کاری اور دست کاری کی طرف رجوع کرتا ہے۔ دشت او جبل میں اب بھی وہی حالت نظر آئے گی کہ انسان اپنی محنت سے کچھہ پیدا نہیں کرتا بلکہ جانوروں کیساتھ قدرت کے توشہ خانہ میں چر چگ لیتا ہے۔ میدانوں میں عرصہ دراز سے کھیتی باڑی ہو رہی ہے۔ لیکن یہہ بھی دور وحشت سے ابتک نہ گذر سکی۔ زمینوں کے مالک بڑے بڑے زمیندار اور نواب ہیں اور کسان ہر طرح انکے ماتحت ہیں۔ انکی ایک بڑی تعداد کی حیثیت غلاموں اور سرفوں کی ہے۔ یہہ زمیندار یا راس برائے نام مرکزی حکومت کے فرمان بردار ہوتے ہیں۔ جیسا کہ نظام جاگیرداری کا قاعدہ ہے جب تک انکی باگ ڈور مرکز مضبوطی

سے تھامے رکھتا ہے۔ یہہ خراج بھی دیتے ہیں، انتظام بھی رکھتے ہیں اور وقت پڑنے پر سپاہ بھی بہم پہنچاتے ہیں۔ لیکن مرکز مین انتشار پیدا ہوتے ہی، آئین خانہ جنگی شروع ہوجاتی ہے۔ طوائف الملوکی اور بدانتظامی کا بازار گرم ہوجاتا ہے انکا پہلا اصول ہے کہ مرکزی حکومت کمزور رہےتا کہ انکی خودمختاری مین فرق نہ آئے اب جاگیرداری کے استحکام کی دو ضمانتین ہین۔ ایک تو عوام پر کلیۃً تسلط اور دوسرا مرکزی حکومت کا انتشار کلیہ جہالت بربریت اور وحشت کو مذہب کا رنگ روپ دیتا ہے۔ اور مطلق العنان زمینداروں کی رسی دراز کرتا جاتا ہے

جب اقتصادی سامراج نصف النہار پر پہنچ جاتا ہے تو حبش جیسے پھڈی ملک کو "مہذب" بنانے کی دو ہی صورتین رہ جاتی ہین۔ یا تو کوئی سامراجی طاقت اسکی رضامندی سے یا زبردستی وہان اپنا سرمایہ لگاکر صنعت و حرفت کے امکانات پیدا کرے اور انکی ضرورت کا احساس پیدا کرنے کے لئے باشندوں کو جدید تہذیب و تمدن کا آشنا اور رسیا بنائے۔ لیکن اسکا اصل اس صورت مین دینا ہوگا کہ ملکی حکمران طبقہ کے حقوق چھن جائینگے۔ یعنی اسے عوام کی کمائی پر جینے اور گل چھرے اڑانے کا حق نہ رہیگا۔ لہذا وہ دوسری راہ اختیار کرتا ہے ایک طرف تو بیرونی سرمایہ کی دست درازیون کو روکتا ہے اور دوسری طرف ملکیون کو مجبور کرتا ہے کہ جدید طریقے اختیار کرین اور اس سرمایہ دارانہ دنیا کے مطالبات کے آگے سر تسلیم خم کرین جو یہہ سکھلاتی ہے کہ جھگڑون پر پالی پھینے مین دشواریان ہوتی ہین۔ لہذا ان کی بیڑیان بجھانا تہذیب کی علامت ہے۔ غلامون کا سوداگرون کے ہاتھون بکنا انسانیت سوز فعل ہے۔ انہین کارخانون مین بکنا چاہئے۔ لیکن حبش کے راس اور پادری نئی تہذیب کے دلائل کو سمجھنے کو

قاصر ہیں۔ راس یہ جانتا ہے کہ اگر پوری ملک میں ریلوں اور سڑکوں سے یگانگت پیدا ہو گئی تو اسکی خود مختاری اور خود اطمینانی کا خاتمہ ہو جائے گا۔ پھر مرکزی حکومت کے ہرکارے ملک بھر میں آسانی سے محصول وصول کر سکینگے۔ غلام اور سرف آزادی سے سیر سپاٹے کر سکینگے۔ اور کارخانوں میں انہیں کام ملجائیگا۔ مرکزی حکومت کی افواج اسکی تنبیہ بلا دقت کر سکینگی۔ اور اسمیں اتنی ہمت نہ ہوگی کہ اسکی حکم عدولی کر سکے۔ پادری بھی خوب سمجھتا ہے کہ جدید اصول زندگی میں اسکے لئے کہیں جگہہ نہیں۔ اسکول کالج اور کتابیں کلیسہ کے نام و نشان مٹا دینگی۔ پادری جہالت کے دم تک ہے۔ یہ دونوں لازم و ملزوم ہیں۔

لہذا جب ہال سلاسی نے حبش کو مہذب کرنے کی جد و جہد شروع کی تو اسے کئی دشواریوں سے دوچار ہونا پڑا۔ گھر میں تو جاگیرداروں اور پادریوں نے اسکی شدید مخالفت کی۔ سرمایہ کی کمی نے انگ بے دست و پا کر دیا۔ وہ یہ جانتا تہا کہ ان ممالک کی امداد سم قاتل سے کم نہیں جنکے مقبوضات کی سرحدیں حبش سے ملتی ہیں۔ وہ تینوں یعنی برطانیہ، فرانس اور اطالیہ ایک ہاتہہ میں منی بیگ اور دوسرے میں بندوق لئے اس ساعت کے منتظر ہے۔ کہ حبش انہیں دعوت دے اور وہ ہمیشہ کے لئے یہاں گھر بنا کر رہ جائیں۔ افریقہ میں کسی اور بڑے سرمایہ دار ملک کے اغراض وابستہ نہ تہے، اسلئے ان تینوں علم برداران تہذیب کو چھوڑ کر حبش میں سرمایہ لگاتے اور سب گھبر لتے تہے۔ مشیروں اور ٹھیکہ داروں کا ملنا تو آسان تہا۔ لیکن ایسے سرمایہ داروں کا بالکل فقدان تہا جنکے ساتھ ملک گیری اور فوج کشی کی علت نہ لگی ہو۔ مجبوراً ہال سلاسی کو یہ تہیہ کرنا پڑا کہ رفارم کی رفتار خواہ سست ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن سامراجیوں

سے قرض لیکر اپنے کو موت کے منہ مین ڈالنا حماقت ہے۔

کسی قوم کی عمر میں دس بیس سال کوئی حقیقت نہین رکھتے خصوصًا اس زمانہ میں جب ایک نظام ہزارون سال سے قایم ہو اور اسمین انحطاط کے آثار پیدا نہ ہوئے ہوں اور اسے ہٹا کر ایک نئی بنا ڈالنے کی کوشش کیجا رہی ہو اس حالت مین کہ کسی کو اس جد وجہد سے عملی ہمدردی نہ ہو۔

ان مجبوریوں اور پابندیوں کے باوجود اپنی ریجنسی اور فرمانروائی کی مختصر سی مدت مین یعنی ۱۹۲۴ء سے لیکر ۱۹۳۵ء تک ۱۱ سال کے عرصہ مین اسنے جو کچھ کیا وہ اتنا زیادہ ہے کہ اس کے دشمنوں کو بھی اسکا اعتراف کرنا پڑا۔ انگریزی زبان کے مستند رسالے "ریویو آف ریویوز" کے حوالے سے ہم اسکی ملکی خدمات کا تجزیہ یون کر سکتے ہین! درحقیقت بادشاہ نے بہت کچھ کر دکھایا ہے۔ حبش مین ٹیلیگراف کا رواج چالیس سال پہلے منلیک کا چلایا ہوا ہے۔ ہائل سلاسی نے ٹیلیفون، بجلی، موٹر، ہوائی جہاز اور جدید اسلحہ جات کا تعارف کرایا۔ سویڈن اور بلجیم کے ماہرونکی سرکردگی میں اسکی فوج جدید طریقوں سے منظم کی جا رہی ہے۔ حبش کی سڑکین اب مقابلۃً بہت بہتر ہین۔ ان سے ایک تو آمدورفت کی آسانیان ہو گئی ہین اور دوسرے ملک کے انتظام مین بھی آسانی ہو گئی ہے۔ تار رسانی کے ذرایعہ زیادہ عمدہ نہین ہین۔ لیکن لاسلکی کے اسٹیشن جابجا بن گئے ہین اور عدیس ابابا کا بیرونی دنیا سے براہ راست تعلق ہو گیا ہے۔

تجارت گو ابتدائی حالت مین ہے لیکن اسکے فروغ کے سامان کئے جا رہے ہین۔ حال مین ایک حبشی راجکمار تجارتی اور مذہبی تعلقات پیدا کرنے کے لئے

جاپان بھیجا گیا تھا۔ انکی تدبیرون سے دونون ملکون مین تجارتی معاہدہ ہو گیا جس کی رو سے حبش مین جاپانیون کو روئی کی کاشت کے لئے ۲۰ لاکھ ایکڑ زمین دینے کا فیصلہ کیا گیا۔ یہ امر قابل غور ہے کہ حبش ان ملکون کو مراعات دینے سے نہین جھجکتا جنکی حدود اس سے کافی کوسون دور ہین یہان تیل نکالنے کے لئے اس ٹھیکے کا ذکر کیا جا سکتا ہے جو حال مین ایک امریکن سرمایہ دار کو دیا گیا اور امریکن حکومت کی دست اندازی کی وجہہ سے منسوخ کر دیا گیا۔ سرمایہ کی کمی اور برطانیہ و فرانس و اطالیہ کی حریفانہ رقابت کی وجہہ سے انکی فراہمی کی دقت نیز سمندر تک نکاس نہ ہونے اور باہر مال بھیجنے یا منگوانے کے لئے دوسرون کا محتاج ہونے کی وجہ سے حبش کی تجارت زیادہ نہ بڑھ سکی۔ کرینسی اور آمد و رفت کی مشکلات بھی نظر انداز نہین کی جا سکتیں۔

تعلیم کے نشر و اشاعت سے بھی وہ بےخبر نہین ہے۔ جبری تعلیم کے احکام حدیس ابابا مین جاری کئے جا چکے ہین۔ اور متعدد اسکول یوروپ کے فارغ التحصیل نوجوانون کی نگرانی مین کامیابی سے چل رہے ہین۔ لڑکیون کی تعلیم کے لئے بھی ایک ہائی اسکول قایم کیا گیا ہے۔ امہاری زبان کی کتابون کی اشاعت کی غرض سے ہیل سلاسی نے اپنے انتظام سے ایک صیغہ بنایا ہے اور وہ خود حبش کے واحد اخبار کی ادارت کرتا ہے۔ اب حکومت نے اسپتالون کی طرف بھی توجہ مبذول کی ہے۔

حکومت حبش نے ۱۹۳۱ء مین بنک آف ابیسینیا کو خرید لیا جس کا کل سرمایہ ساڑھے سات لاکھ پونڈ ہے۔ انکی مدد سے کرینسی کی بدعنوانیون کو دور کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ اور اب اس بنک نے نوٹ چھاپنے شروع

کر دیئے ہیں۔

ملکی انتظام کے باب میں ہال سلاسی کے رفارم کم اہم نہیں ہیں۔ تخت نشینی کے بعد ہی اس نے موروثی صوبہ داروں اور حاکموں کو موقوف کرکے ایسے آدمی تعینات کئے جو ان عہدوں کے اہل تھے۔ علاوہ بریں اسنے ایک پارلیمنٹ کی بھی بنا ڈالی جس کے دو ایوان ہیں۔ ہنوز یہہ پارلیمنٹ نامزد ہی ہے کیونکہ ابھی ملک میں انتخاب کا انتظام نہیں ہو سکتا۔ نہ انکے اختیارات کا کسی کو پتہ ہے۔ اور نہ انکی کارگذاریوں کا علم۔ حقیقی رفارم مختلف وزارتوں کا قیام ہے۔ دوسرے ملکوں کی طرح حبش میں بھی اب انتظامی امور کو کئی شعبوں میں تقسیم کرکے وزیروں کے حوالہ کر دیا گیا ہے جو بادشاہ کے مشورہ سے اپنا اپنا کام کرتے ہیں۔ یہہ امر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہے کہ اس نے حکومت کا دستور عمل اور عدالتی قوانین بھی مرتب کر دیئے ہیں۔

یہہ سچ ہے کہ ان اصلاحوں کے اثرات ابھی محدود ہیں اور ریل کیساتھ خچر و نچی دوڑ کا نظارہ ابھی بہت عام ہے۔ ملک میں بندوقیں کم ہیں اور تیر کمان بہت زیادہ۔ لیکن اس نکتہ چینی سے پہلے یہہ سوچنا چاہئے کہ دو ہزار سال کی کشمکش کے بعد دنیا نے جو کچھہ حاصل کیا ہے حبش نے اسکی طرف صرف ایک قرن پہلے توجہ کی ہے۔ ابتدا سے اسے رجعت پرور جاگیرداروں اور پادریوں کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے اور اطالیہ اس وجہ سے اسکی جان کا لاگو نہیں ہے کہ اسکی رفتار ترقی بہت سست ہے۔ بلکہ اصلی وجہ منافقت یہہ ہے کہ وہ اطالیہ سے بے نیاز ہو کر ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔

بنا بریں ہم غلامی کے مسئلہ پر بھی کچھہ کہینگے۔ غلامی اور سرفگری ایک

تاریخی ادارہ ہے۔ اور ہر ملک کو اس دور سے گذرنا پڑا ہے اطالیہ جو حبش
کے خلاف اس الزام کو بہت اچھال رہا ہے اور اسکے غیر مہذب ہونے کی
دلیل میں یہہ ثبوت پیش کرتا ہے۔ خود اپنے ارتیریا اور ٹریولی کے مقبوضات
میں اس ادارہ کو نابود نہ کر سکا اور وہان کے بازارون مین مویشیون کیساتھ
انسان علانیہ بکا کرتے ہیں۔ یہہ بھی سب کو معلوم ہے کہ حبش کا اطالوی سفیر
کاونٹ وینچی غلامونکی خرید و فروخت کا روزگار کیا کرتا تہا عرب کے کئی ملک
میں ہنوز غلامی کا سدباب نہ ہو سکا۔ ہندوستان کے شاہی زراعتی کمیشن
کی رپورٹ میں مذکور ہے کہ اس ملک کے بعض حصون مین کسانون کی حالت
سرفون سے بھی بدتر ہے۔ مدعا یہہ کہ حبش جس تاریخی اور اقتصادی دور میں ہو
اسمین ہر ملک رہ چکا ہے۔ اور دنیا کے ہر گوشے میں غلام یا سرف رہ چکے ہیں

غلام حبش کے اقتصادی نظام کی شہرگ ہے جب تک جاگیرداری
کا نظام نابود نہ ہو جائے اور تجارت و حرفت مین لاکہون مزدورون کی کہپت
نہ ہو سکے غلام کسی طرح آزاد نہیں ہو سکتے۔ لیگ آف نیشنز مین شرکت کے لئے
بادشاہ نے غلامی کے انسداد کا زبانی وعدہ کر لیا تہا۔ اور اسے قانونی جامہ
پہنانے کے لئے احکام بہی جاری کر دیئے تہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ موجودہ حالات
میں ان پر عمل ناممکن ہے بادشاہ نے جب اپنے غلاموں کو آزاد کر دیا تو وہ
اس کے دروازوں پر دہرنا دیکر بیٹھ گئے اور منت کرنے لگے کہ ہمیں اپنی
غلامی ہی مین رہنے دو۔ انہیں کچہہ نہ معلوم تہا کہ آزاد ہو کر وہ کہان جائینگے
اور کیا کرینگے۔ ملک مین نہ کارخانے ہیں نہ تجارت کہ وہ کام سے لگ سکیں
مجبوراً بادشاہ کو انہیں اجرت پر اپنے ہی ہان نوکر رکہنا پڑا۔ لاکہون غلامون کو

آزاد کرانا ایک دو سال کا کام نہ تہا۔ انکے مالکون کو اس کے عوض کچھ بڑی رقم دینا پڑیگی۔ اور انہین برسر روزگار کرنے کے لئے کتنے عظیم الشان انتظاما کرنے ہونگے۔ تاریخ یہہ بتلاتی ہے کہ غلامی کے انسداد کی تحریک ہمیشہ ان کارخانہ دارون کی طرف سے ہوئی جنہیں مزدورونکی ضرورت ہتی اور یہہ غلام یا صرف مزدورون کا تہذیب نام رکہہ کر ایک نئے مالک کے غلام ہوگئے۔ یہہ تحریک اخلاق کے نام سے شروع ہوتی اور سرمایہ دار طبقہ کے اقتصادی مقاصد کو پورا کرتی ہے۔ کیونکہ حبش مین اس اخلاقی مطالبہ کی پشت پر وہ اقتصادی مطالبات نہین ہین لہذا یہہ ابہی تشنۂ تکمیل رہیگی۔ تا آنکہ بیرونی سرمایہ ملک مین ایک دور جدید کا آغاز کرکے غلامون کو اس بدتر درجہ پر نہ پہونچادے۔ جہان انسان مزدور کہلاتا ہے۔ پہر فاسیسٹ مالکون کی مزدوری ستم بالائے ستم ہے۔

بادشاہ حبش دیانت داری سے غلامی کے انسداد کی کوشش کر رہا ہے اس نے عدیس ابابا مین ایک عدالت قایم کر رکہی ہے۔ جہان اس غلام کو آزادی کا پروانہ دیا جاتا ہے جو اپنے مالک سے الگ ہونا چاہتا ہے۔ اس طرح ابتک ہزارون غلامون کی گلوخلاصی ہوچکی ہے لیکن اب بہی بہت کچھہ ہونے کا ہے اور اسکی دو ہی صورتین ہین یا تو خود کسانون اور غلامون مین احساس پیدا ہو اور بغاوت کرکے زمینون پر قابض ہوجائین۔ اور یا ملک مین ایک سرمایہ دارانہ انقلاب ہو جو اسس ساختی ادارہ کو مٹا کر ایک نئی قسم کی مہذب غلامی کی بنا ڈالے۔

حبش کے سفیر لندن ڈاکٹر مارٹن نے اپنی ایک تقریر مین کہا تہا کہ ہمین

۲۰ لاکھ پونڈ قرض اور ۲۰ سال کی مہلت دی جائے تو ہم اپنے ملک کو دوسرے مہذب ممالک کا ہمدوش بنادینگے۔ یہہ مبالغہ سہی لیکن حبش کے غلاموں کو دیکھکر اگر لیگ والوں کو اختلاج ہونے لگتا ہے تو کیوں نہیں وہ حبش کو ایک معقول رقم بطور قرض کے دیکر ترقی کا موقع دیتے۔

حبش کی صحیح حالت کا اندازہ لگانے کے لئے اسکے سوشل نظام کو سمجھ لینا چاہئے۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ یہہ ایک سامنتی ملک ہے۔ سماج کئی طبقوں میں بٹا ہوا ہے جو اپنی اپنی جگہ پر مدت دراز سے اٹل ہیں۔ ہر طبقہ کے مخصوص مالی اور سیاسی فرائض ہیں۔ اس قسم کے نظام کی بنیاد فوجی خدمت ہوتی ہے۔ جو لوگ جنگ کے موقع پر سپاہ کی سرداری کرتے ہیں وہی امن کے زمانے میں ملک کا انتظام کرتے ہیں۔ ہم پہلے یہہ بتا چکے ہیں کہ یہہ جاگیردار مرکزیت کے کس قدر مخالف ہوتے ہیں۔ ہیل سلاسی کی یہہ اصلاح کچھ کم اہم نہیں ہے کہ اس نے ان انتشار پسندوں کا زور کم کردیا اور اب مرکزی حکومت پہلے کی بہ نسبت بہت زیادہ مضبوط ہوگئی ہے۔ تاریخی اعتبار سے اس قسم کی مطلق العنانی بہتر ہے کیونکہ آیندہ صنعتی انقلاب اور سرمایہ داری کے فروغ کو یہہ مرکزیت فائدہ پہنچائے گی۔

قبل اس کے کہ حبش کی موجودہ فوجی طاقت کا جایزہ لیا جائے اس سماج کی طبقہ بندی کا صحیح اندازہ لگا لینا چاہئے۔

نگیس نگستی یعنی شہنشاہ کے بعد نگیس اور راس کا درجہ ہے۔ نگیس یعنی راجہ کا مرتبہ کم ہوتا ہے۔ اور وہ بڑے صوبہ کا حکمران ہوتا ہے عموماً راس کسی صوبہ کا حاکم ہوتا ہے۔ ہیل سلاسی نے اب نگیس کے عہدہ کو قطعاً منسوخ کردیا ہے کیونکہ یہ اسکی شان کے منافی تھے۔ بعد ازاں دیجاماشل کا